# شرح القصیدہ

## یَا عَیْنَ فَیْضِ اللّٰہِ وَالْعِرْفَانِ



از قلم

جلال الدین شمس

سابق مبلغ بلادِ غربیہ و عربیہ

الناشر :- الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

# تمہید

## دو روائتیں

یہ قصیدہ جس کی شرح لکھنے کا مَیں نے ارادہ کیا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب "آئینۂ کمالات اسلام" کے عربی حصّے کے آخر میں مندرج ہے۔ جب مَیں نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی سے اس قصیدہ کی شرح لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے اِس کے متعلق مجھے مندرجہ ذیل روایت سُنائی:۔

"حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین رضی اللہ عنہ بیان فرماتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام قصیدہ "یاعین فیض اللّٰہ والعرفان" کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اس قصیدہ کو حفظ کریگا اُس کے حافظہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے برکت دی جائیگی"۔

اِسی قصیدہ کے متعلق ایک اور روایت مرحوم و مغفور حضرت پیر سراج الحق رضی اللہ عنہ کی ہے۔ کہ

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب یہ قصیدہ تصنیف فرما چکے تو آپ کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمکنے لگا اور فرمایا کہ یہ قصیدہ جناب الٰہی میں قبول ہوگیا اور خدا نے مجھ سے فرمایا جو اس قصیدہ کو حفظ کریگا اور ہمیشہ پڑھیگا میں اس کے دل میں اپنی اور اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت کوٹ کوٹ کر بھر دونگا۔ اور اپنا قرب عطا کرونگا۔"

میرے دل میں اس مبارک قصیدہ کی شرح لکھنے کا شوق تو اب سے تقریباً تیس سال پہلے پیدا ہوا تھا لیکن میں اس طویل عرصہ میں اپنے اس شوق کو پورا کرنے کی ابتدا بھی نہ کر سکا۔ گذشتہ سال ماہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ارادہ کیا اور مشکل الفاظ کے معانی بھی نوٹ کئے لیکن شرح شروع کرنے کی نوبت پھر بھی نہ آئی۔ اس سال ماہ فروری میں بعارضہ یلوسی اور ذیابیطس بیمار ہوگیا اور سوا دو مہینے تک میو ہسپتال لاہور میں زیر علاج رہ کر طبی مشورہ کے مطابق موسم گرما گذارنے کے لئے کوئٹہ میں آگیا۔ یہاں میں نے آج (۲۹ر جون ۱۹۵۶ء مطابق ۱۹ر ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ) بروز جمعۃ المبارک دو رکعت نفل اور نماز عصر ادا کرنے کے بعد اپنے آقا و مولی سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ستّر مرتبہ درود پڑھ کر اس قصیدہ کی شرح لکھنے کی نیت سے یہ الفاظ بطور تمہید سپرد قلم کئے ہیں اور یہ عزم کیا ہے کہ اس قصیدۂ انیقہ کی شرح لکھنے سے پہلے دو رکعت نفل اور ستّر مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج لیا کروں۔



میں اللہ تعالےٰ سے نہایت عجز و الحاح سے دُعا کرتا ہوں کہ اے مولیٰ جس طرح تُو نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں قصیدہ لکھنے پر حضرت علامہ محمد البوصیری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک لمبی بیماری سے شفا عطا فرمائی تھی اسی طرح اس عاجز کو بھی اس مبارک قصیدہ کی شرح لکھنے پر جو تیرے پیارے نبی سیدنا و شفیعنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں حضور کے ایک عاشق صادق نے لکھا تھا لمبی بیماری سے کامل شفا بخش اور خدمت اسلام کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرما کہ حقیقی شفا اور کام کی توفیق بخشنا تیرے ہاں تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ اللّٰھم آمین۔

اب ذیل میں پہلے پورا قصیدہ مع ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ پھر اس کی شرح۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

خاکسار

جلال الدین شمس

کوٹھی محترم جناب شیخ کریم بخش صاحب چھاؤنی کوئٹہ

نوٹ:۔ اس شرح میں جہاں جہاں میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں سے اپنے الفاظ میں ملخص پیش کیا ہے وہاں حضور کی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ مگر جہاں پوری عبارت نقل کی ہے وہاں حوالہ دے دیا ہے۔ تاریخی واقعات زیادہ تر میں نے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی کتاب "نبیوں کا سردار" سے لئے ہیں۔ مشکل الفاظ کے معانی لکھتے وقت جہاں میں نے لغت کی کتاب کا نام نہیں لکھا۔ وہ سب "منجد" سے ماخوذ ہیں۔ شمس

# القصیدۃ

عنوان بالا کے تحت حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے قصیدہ رقم فرمانے سے پہلے مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہے:۔

"هٰذِهِ الْقَصِيْدَةُ اَنِيْقَةٌ[1] رَشِيْقَةٌ[2] مَمْلُوَّةٌ مِّنَ اللَّطَائِفِ الْاَدَبِيَّةِ وَالْفَرَائِدِ[3] الْعَرَبِيَّةِ فِيْ مَدْحِ سَيِّدِيْ وَسَيِّدِ الثَّقَلَيْنِ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدٍ الَّذِيْ وَصَفَهُ اللّٰهُ فِي الْكِتَابِ الْمُبِيْنِ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔ وَلَيْسَتْ هٰذِهٖ مِنْ قَرِيْحَتِي[4] الْجَامِدَةِ[5] وَفِطْنَتِي[6] الْخَامِدَةِ[7]۔ وَمَا

---

[1] عمدہ۔ پسندیدہ [2] رَشِیْقُ الْقَدِّ۔ جس کا قد نہایت عمدہ اور لطیف ہو اور ہلکا پھلکا ہو۔ اَلرَّشِیْقُ مِنَ اللَّفْظِ اَوِ الْخَطِّ الظَّرِیْفُ یعنی جب لفظ یا خط کے لیے رَشِیْق کا لفظ بولا جائے تو مراد خوبی اور عمدگی ہوتی ہے۔ [3] اَلْفَرَائِدُ اَلْخَرِیْدَہ کی جمع ہے جس کے معنے یکتا اور بے مثل کے ہیں۔ نیز موتی اور نفیس جوہر کو بھی کہتے ہیں۔ اَلْفَرِیْدَۃُ واحد مؤنث ہے جس کے معنے نفیس جوہر کے ہیں۔ اس کی جمع بھی الفرائد ہے۔ [4] اَلْقَرِیْحَۃُ۔ طبیعت۔ شاعر اور کاتب کی قریحہ سے مراد عمدہ نظم و نثر لکھنے کا ملکہ ہے۔ اس کی جمع قَرَائِحُ ہے۔ [5] جَامِدَۃٌ خشک غیر متحرک۔ کہتے ہیں جَمَدَتِ الدَّمُ اَیْ یَبِسَتْ یعنی خون خشک ہوگیا۔ اور جَمَدَ الْمَاءُ قَامَ یعنی پانی جم گیا اور ایک جگہ ٹھہر گیا۔ [6] اَلْفِطْنَۃُ۔ فہم۔ ذہانت و طباعی۔ دانائی۔ عقلمندی۔ اس کی جمع فِطَنٌ ہے۔ [7] اَلْخَامِدَۃُ۔ خَمَدَتِ النَّارُ اُمُوْتَتْ کہتے ہیں جب آگ میں شعلہ نہ ہو لیکن انگارہ بھی بجھا نہ ہو۔ خَمَدَتِ الْحُمّٰی اُمُوْتَتْ کہتے ہیں جب بخار کی تیزی اور جوش ٹھنڈا پڑ جائے۔

كَانَتْ رَوِيَّتِي[1] النَّاضِبَةُ[2]۔ ضَلِيْعَ[3] هٰذَا الْمِضْمَارِ[4]۔ وَمَنْبَعَ تِلْكَ الْأَسْرَارِ۔ بَلْ كُلَّمَا قُلْتُ فَهُوَ مِنْ رَبِّيَ الَّذِيْ هُوَ قَرِيْنِيْ۔ وَمُؤَيِّدِي الَّذِيْ هُوَ مَعِيْ فِيْ كُلِّ حِيْنِيْ۔ الَّذِيْ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِيْ مَا كَسَبْتُ شَيْئًا مِنْ مُلَحِ[5] الْأَدَبِ وَنَوَادِرِهٖ[6]۔ وَلٰكِنْ جَعَلَنِيَ اللّٰهُ غَالِبًا عَلٰى قَادِرِهٖ۔ وَهٰذِهٖ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔ وَاِنِّيْ اَظْهَرْتُهَا وَبَيَّنْتُهَا لَعَلِّيْ اُجْزٰى جَزَاءَ الشَّاكِرِيْنَ۔ وَلَا اُلْحَقُ بِالَّذِيْنَ لَا يَشْكُرُوْنَ۔

ترجمہ :- یہ ایک عمدہ اور لطیف قصیدہ ہے جو ادبی لطائف اور عربی زبان کے نفیس جواہر ریزوں سے پُر ہے - اور میرے آقا اور سردار دو جہان حضرت خاتم النّبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں لکھا گیا ہے جن کی تعریف

---

[1] الرَّوِيَّةُ - الرَّدِيُّ کی مؤنث ہے - باتوں میں غور و خوض کرنے کی قوت [2] اَلنَّاضِبُ خشک - غَدِيْرٌ نَاضِبٌ وہ تالاب جس میں پانی نہ رہے - اس کی جمع نُضُبٌ ہے -
[3] الضَّلِيْعُ - قوی مضبوط پسلیوں والا - اس کی جمع ضُلُعٌ ہے [4] اَلْمِضْمَارُ گھوڑ دوڑ کے لئے کھلی وسیع جگہ - وہ مقام جہاں گھوڑے سدھائے جاتے ہیں - میدان -
[5] اَلْمُلَحُ - عمدہ اور لذیذ باتیں - اس کی واحد مُلْحَةٌ ہے [6] اَلنَّوَادِرُ - اس کا واحد نَادِرٌ اور نَادِرَةٌ ہے - اَلنَّادِرُ مِنَ الْكَلَامِ: کمیاب کلمات جو شاذ اور خلاف قیاس ہوں - نَوَادِرُ الْكَلَامِ سے مُراد وہ عجیب و غریب کلام ہے جو فصیح ہو اور اپنے اندر جدّت رکھے - ۔۔۔۔
۔۔۔ کہتے ہیں - هُوَ نَادِرَةُ الزَّمَانِ اَیْ وَحِيْدُ عَصْرِهٖ یعنی وہ یکتائے روزگار ہے -



اللہ تعالیٰ نے کتاب مبین میں بیان فرمائی ہے - اے اللہ! ان پر قیامت تک تیری رحمت اور سلامتی نازل ہو - اور یہ قصیدہ میری رُکی ہوئی طبیعت اور بُجھی ہوئی ذہانت و فطانت کا رہینِ منّت نہیں اور نہ میرا خشک ملکۂ غور و خوض اس میدان کا مرد اور ان اسرار کا منبع ہے - بلکہ جو کچھ مَیں نے کہا ہے وہ میرے رب کی طرف سے ہے جو میرا رفیق ہے اور ایسا مؤیّد ہے جو ہر وقت میرے ساتھ ہے - جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے - اور جب مَیں غلطی کرتا یا راستہ سے بھٹک جاتا ہوں تو وہ میری راہنمائی فرماتا ہے - اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے - مَیں نے ادب کے عمدہ و دلچسپ کلمات اور اس کے عجیب و غریب اور فصیح الفاظ جن میں جدّت اور ندرت پائی جاتی ہے بزورِ محنت حاصل نہیں کئے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے قادر الکلام ادیبوں پر غلبہ بخشا ہے - اور میرے ربّ کی طرف سے اہلِ علم لوگوں کے لئے ایک نشان ہے - اور مَیں نے اس امر کا اظہار صرف اس نیّت سے کیا ہے تا شکر کرنے والوں کی طرح مجھے بدلہ دیا جائے اور ان لوگوں میں میرا شمار نہ ہو جو ناشکر گذار ہیں -

---

# ابیات قصیدہ مع ترجمہ

يَا عَيْنَ فَيْضِ اللّٰهِ وَالْعِرْفَانِ
اے اللہ تعالیٰ کے فیض اور عرفان کے چشمے
يَسْعَى إِلَيْكَ الْخَلْقُ كَالظَّمْآنِ
لوگ سخت پیاسوں کی طرح تیری طرف دوڑتے ہیں

۲ يَا بَحْرَ فَضْلِ الْمُنْعِمِ الْمَنَّانِ — تَهْوِي إِلَيْكَ الزُّمَرُ بِالْكِيزَانِ
اے انعام دینے والے اور احسان فرمانے والے خدا کے فضل کے سمندر — لوگ فوج در فوج کوزے لئے تیری طرف آتے ہیں

۳ يَا شَمْسَ مُلْكِ الْحُسْنِ وَالْإِحْسَانِ — نَوَّرْتَ وَجْهَ الْبَرِّ وَالْعُمْرَانِ
اے ملکِ حسن و احسان کے آفتاب — تُو نے بیابانوں صحراؤں اور آبادیوں کو منور کر دیا ہے

۴ قَوْمٌ رَأَوْكَ وَأُمَّةٌ قَدْ أُخْبِرَتْ — مِنْ ذٰلِكَ الْبَدْرِ الَّذِي أَصْبَانِي
ایک قوم تیرے دیدار سے مشرف ہوئی اور ایک جماعت نے اس بدر کی خبر سُنی جس نے مجھے اپنا فریفتہ اور شیدا بنا لیا

۵ يَبْكُونَ مِنْ ذِكْرِ الْجَمَالِ صَبَابَةً — وَتَأَلُّمًا مِنْ لَوْعَةِ الْهِجْرَانِ
وہ تیرے جمال کی یاد سے بوجہ شوق و محبت کے روتے ہیں — اور جدائی کی جلن اور فراق کی سوزش سے ان کے آنسو بہتے ہیں



۶ وَأَرَى الْقُلُوبَ لَدَى الْحَنَاجِرِ كُرْبَةً — وَأَرَى الْغُرُوبَ تُسِيلُهَا الْعَيْنَانِ
اور میں دیکھتا ہوں کہ دل بیقراری سے گلے تک آ گئے ہیں — اور میں آنسو دیکھتا ہوں جو آنکھیں بہا رہی ہیں

۷ يَا مَنْ غَدَا فِي نُورِهٖ وَضِيَائِهٖ — كَالنَّيِّرَيْنِ وَنَوَّرَ الْمَلَوَانِ
اے وہ جو اپنے نور اور روشنی میں — مہر و ماہ کی طرح ہو گیا، اور اپنے نور سے رات دن کو منور کر دیا

۸ يَا بَدْرَنَا يَا آيَةَ الرَّحْمٰنِ — أَهْدَى الْهُدَاةِ وَأَشْجَعَ الشُّجْعَانِ
اے ہمارے چودھویں کے چاند اے خدائے رحمٰن کے نشان — اے سب ہادیوں سے بڑے ہادی اور سب بہادروں سے بڑے بہادر

۹ إِنِّي أَرَى فِي وَجْهِكَ الْمُتَهَلِّلِ — شَأْنًا يَفُوقُ شَمَائِلَ الْإِنْسَانِ
میں تیرے خندان و درخشاں چہرے میں ایک ایسی — شان دیکھتا ہوں جو انسانی شمائل پر فوقیت رکھتی ہے

۱۰ وَقَدِ اقْتَفَاكَ أُولُو النُّهٰى وَبِصِدْقِهِمْ — وَدَعُوا تَذَكُّرَ مَعْهَدِ الْأَوْطَانِ
دانشمندوں نے تجھے چن لیا اور تیری پیروی کی اور اپنے صدق کی وجہ سے انہوں نے اپنے وطنوں کی یادگاروں کی یاد بھی ترک کر دی

۱۱ قَدْ آثَرُوكَ وَفَارَقُوا أَحْبَابَهُمْ — وَتَبَاعَدُوا مِنْ حَلْقَةِ الْإِخْوَانِ
انہوں نے تجھے اختیار کیا اور اپنے دوستوں سے جدا ہو گئے — اور اپنے بھائیوں کے دائرہ سے دوری اختیار کر لی

۱۲ قَدْ وَدَّعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَنُفُوسَهُمْ — وَتَبَرَّءُوا مِنْ كُلِّ نَشَبٍ فَانِ
انہوں نے اپنی خواہشوں اور نفسوں کو الوداع کہہ دیا — اور ہر قسم کے فانی مال و منال سے بیزار ہو گئے

۱۳ ظَهَرَتْ عَلَيْهِمْ بَيِّنَاتُ رَسُولِهِمْ — فَتَمَزَّقَ الْأَهْوَاءُ كَالْأَوْثَانِ
جب رسول کریم کے واضح اور روشن دلائل ان پر ظاہر ہوئے — تو ان کی نفسانی خواہشیں بتوں کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں

۱۴ فِي وَقْتِ تَرْوِيقِ اللَّيَالِي نُوِّرُوا — وَاللّٰهُ نَجَّاهُمْ مِنَ الطُّوفَانِ
وہ راتوں کی تاریکی و ظلمت کے وقت منور ہوئے — اور اللہ تعالیٰ نے ان کو طوفانِ ظلمت و ضلالت سے بچا لیا

۱۵ قد هاضهم ظلم الاناس وضيمهم — فتثبتوا بعناية المنان

مخالف جماعتوں کے ظلم و ستم نے انہیں پیس ڈالنے کی کوشش کی — گروہ خدائے محسن کی عنایت سے ثابت قدم رہے

۱۶ نهب اللئام نشوبهم وعقارهم — فتهللوا بجواهر الفرقان

ذلیل اور کمینہ دشمنوں نے انکے مال و دولت جائداد لوٹ لی — پھر فرقان کے موتیوں سے ان کے چہرے چمک اٹھے

۱۷ كسحوا بيوت نفوسهم وتبادروا — لتمتع الايقان والايمان

انہوں نے اپنے نفسوں کے گھروں کو خوب صاف کیا — اور یقین اور ایمان کی دولت لینے کو جلد آگے بڑھے

۱۸ قاموا باقدام الرسول بغزوهم — كالعاشق المشغوف في الميدان

وہ رسول کریم کے حکم سے آگے بڑھو پر ایک عاشق صادق کی طرح میدان جنگ میں دشمن پر پل پڑے۔

۱۹ فدم الرجال لصدقهم في حبهم — تحت السيوف اريق كالقربان

سو ان مردوں کے خون ان کی خلوص محبت کے باعث — تلواروں کے نیچے قربانیوں کی طرح بہائے گئے

۲۰ جاءوك منهوبين كالعريان — فسترتهم بملاحف الايمان

وہ تیرے پاس لٹے کھٹے مانند برہنہ آئے۔ — پس تو نے انہیں ایمان کی چادریں اڑھا دیں

۲۱ صادفتهم قوما كروث ذلة — فجعلتهم كسبيكة العقيان

تو نے انہیں گوبر کی طرح ذلیل قوم پایا — پھر تو نے انہیں خالص سونے کی ڈلی کی مانند بنا دیا

۲۲ حتى انثنى بر كمثل حديقة — عذب الموارد مثمر الاغصان

یہاں تک کہ عرب کا خشک جنگل اس باغ کی مانند ہو گیا جس کے چشمے خوشگوار و شیریں ہیں اور جسکے درختوں کی ڈالیاں پھلوں سے لدی ہوں

۲۳ عادت بلاد العرب نحو نضارة — بعد الوجى والمحل والخسران

عرب کے شہروں میں پھر رونق اور تر و تازگی آ گئی — ویرانی، خشکی، قحط اور تباہی کے بعد۔



۲۴ كان الحجاز مغازل الغزلان — فجعلتهم فانين في الرحمان

اہل حجاز جو خوبصورت عورتوں سے عشقبازی میں محو تھے — تو نے انہیں فانی فی اللہ بنا دیا۔

۲۵ شيئان كان القوم عميا فيهما — حسو العقار وكثرة النسوان

دو باتیں تھیں جن میں عرب قوم اندھی ہو رہی تھی — مزے لے کر شراب نوشی اور عورتوں کی زیادت

۲۶ اما النساء فحرمت انكاحها — زوجا له التحريم في القران

عورتوں کا پوچھو تو انکی نسبت یہ حکم ہوا کہ انکا نکاح ان مردوں سے حرام کر دیا گیا ہے جن کی حرمت قرآن میں آ گئی۔

۲۷ وجعلت دسكرة المدام مخربا — وازلت حانتها من البلدان

اور تو نے شراب خانے ویران کر دیئے — اور شراب کی دوکانیں شہروں سے ہٹا دیں

۲۸ كم شارب بالرشف دنا طافحا — فجعلته في الدين كالنشوان

بہت تھے جو خم کے خم پی جاتے تھے۔ — پھر تو نے ان کو دین کا متوالا بنا دیا

۲۹ كم محدث مستنطق العيدان — قد صار منك محدث الرحمن

کتنے بدعتی عود بجانے والے تھے۔ — جو تیرے طفیل خدائے رحمن سے ہمکلام ہوئے

۳۰ كم مستهام للرشوف تعشقا — فجذبتهم جذبا الى الفرقان

بہت تھے جو معطر دہن عورتوں کے عشق میں سرگرداں تھے — پھر تو نے انہیں فرقان کی طرف کھینچ لیا۔

۳۱ احييت اموات القرون بجلوة — ماذا يماثلك بهذا الشان

تو نے صدیوں کے مردے ایک جلوہ سے زندہ کر دیئے — کون ہے جو اس شان میں تیرا نظیر ہو سکے

۳۲ تركوا الغبوق وبدلوا من ذوقه — ذوق الدعاء بليلة الاحزان

انہوں نے شام کی شراب چھوڑ دی اور اسکے ذوق کی جگہ — غم کی راتوں میں دعا کی لذت اختیار کر لی

۳۳ كَانُوْا بِرَنَّاتِ الْمَثَانِيْ قَبْلَهَا ... قَدْ اُحْصِرُوْا فِيْ شُحِّهَا كَالْعَانِ

اس سے پہلے وہ سارنگیوں اور دوتاروں کے سُروں اور نغموں اور رُوں رُوں کی آواز کی حرص میں قیدی کی طرح محبوس یا گرفتار تھے

۳۴ قَدْ كَانَ مَرْتَعُهُمْ اَغَانِيْ دَائِمًا ... طَوْرًا بِغِيْدٍ تَارَةً بِدِنَانِ

اُن کی محفلیں اور مجلسیں ہمیشہ راگ و رنگ تھیں کبھی نازک اندام عورتوں سے دل لگی ہوتی اور کبھی مے کے خم لنڈھائے جاتے

۳۵ مَا كَانَ فِكْرٌ غَيْرَ فِكْرِ غَوَانِيْ ... اَوْ شُرْبِ رَاحٍ اَوْ خَيَالِ جِفَانِ

انہیں خوب صورت گانے والی عورتوں یا شراب نوشی اور کاسہائے شراب کے تصور کے سوا کوئی فکر نہ تھی

۳۶ كَانُوْا بِمَشْغُوْفِ الْفَسَادِ بِجَهْلِهِمْ ... رَاضِيْنَ بِالْاَوْسَاخِ وَالْاَدْرَانِ

وہ بے وقوفی سے فساد کے شیفتہ تھے میل کچیل اور ناپاکی پر خوش تھے۔

۳۷ عَيْبَانِ كَانَ شِعَارُهُمْ مِنْ جَهْلِهِمْ ... حُمْقُ الْحِمَارِ وَوَثْبَةُ السِّرْحَانِ

جہالت سے دو عیب اُن کے شامل حال تھے گدھے کی اور حسد بھیڑیے کا

۳۸ فَطَلَعْتَ يَا شَمْسَ الْهُدٰى نُصْحًا لَهُمْ ... لِتُضِيْئَهُمْ مِنْ وَجْهِكَ النُّوْرَانِيْ

تب میں اے آفتاب ہدایت اُن کی خیر خواہی کے لیے تو نے طلوع کیا تاکہ اپنے نورانی چہرے سے انہیں منور کرے

۳۹ اُرْسِلْتَ مِنْ رَبٍّ كَرِيْمٍ مُحْسِنٍ ... فِي الْفِتْنَةِ الصَّمَّاءِ وَالطُّغْيَانِ

تو محسن رب کریم کی طرف سے خوفناک فتنے اور طغیانی کے وقت بھیجا گیا

۴۰ يَا لَلْفَتٰى مَا حُسْنُهٗ وَجَمَالُهٗ ... رَيَّاهُ يُصْبِي الْقَلْبَ كَالرَّيْحَانِ

واہ کیا ہی صاحب حسن و جمال مرد ہے جسکی خوشبو دل کو ریحان کی طرح شیفتہ کر لیتی ہے

۴۱ وَجْهُ الْمُهَيْمِنِ ظَاهِرٌ فِيْ وَجْهِهٖ ... وَشُئُوْنُهٗ لَمَعَتْ بِهٰذَا الشَّانِ

اللہ تعالیٰ کا چہرہ اسکے چہرے میں نظر آتا ہے اور اس کے تمام حالات اسی شان کے ساتھ چمکتے ہیں



۴۲ فَلِذَا يُحَبُّ وَيَسْتَحِقُّ جَمَالُهٗ ... شَغَفًا بِهٖ مِنْ زُمْرَةِ الْاَخْدَانِ

اسی لیے تو وہ محبوب ہے اور اسکا جمال اس لائق ہے کہ دوستوں کی جماعت کو چھوڑ کر اس سے دلبستگی پیدا کی جائے

۴۳ سُمْحٌ كَرِيْمٌ بَاذِلٌ خِلُّ التُّقٰى ... خِرْقٌ وَفَاقَ طَوَائِفَ الْفِتْيَانِ

وہ خوش خلق، معزز، صاحب جود و عطا، تقویٰ دوست ہے کریم اور سخی اور سب جوانوں پر فائق ہے

۴۴ فَاقَ الْوَرٰى بِكَمَالِهٖ وَجَمَالِهٖ ... وَجَلَالِهٖ وَجَنَانِهِ الرَّيَّانِ

وہ سب مخلوقات سے اپنے کمال اور اپنے جمال اور اپنے جلال اور اپنے شاداب دل کے سبب فوقیت لے گیا ہے

۴۵ لَا شَكَّ اَنَّ مُحَمَّدًا خَيْرُ الْوَرٰى ... رِيْقُ الْكِرَامِ وَنُخْبَةُ الْاَعْيَانِ

بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہتر مخلوقات اور صاحب کرم و عطا اور شرفا لوگوں کی روح اور انکی قوم و برگزیدہ اعیان ہیں

۴۶ تَمَّتْ عَلَيْهِ صِفَاتُ كُلِّ مَزِيَّةٍ ... خُتِمَتْ بِهٖ نَعْمَاءُ كُلِّ زَمَانِ

ہر قسم کی فضیلت کی صفات آپ میں علی الوجہ الاتم موجود ہیں اور ہر زمانے کی نعمت آپ کی ذات پر ختم ہے

۴۷ وَاللّٰهِ اِنَّ مُحَمَّدًا كَرِدَافَةٍ ... وَبِهِ الْوُصُوْلُ بِسُدَّةِ السُّلْطَانِ

اللہ تعالیٰ کی قسم یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم جانشین کی مانند ہیں اور آپ ہی کے ذریعہ دربار شاہی تک رسائی ہو سکتی ہے

۴۸ هُوَ فَخْرُ كُلِّ مُطَهَّرٍ وَمُقَدَّسٍ ... وَبِهٖ يُبَاهِي الْعَسْكَرُ الرُّوْحَانِيْ

آپ ہر مطہر و مقدس کے لئے باعث فخر ہیں اور روحانی لشکر آپ ہی کے وجود باجود پر مفتخر و نازاں ہے

۴۹ هُوَ خَيْرُ كُلِّ مُقَرَّبٍ مُتَقَدِّمٍ ... وَالْفَضْلُ بِالْخَيْرَاتِ لَا بِزَمَانِ

آپ ہر پہلے مقرب سے افضل ہیں۔ اور فضیلت کاموں خیر پر موقوف ہے نہ کہ زمانہ پر

۵۰ وَالطَّلُّ قَدْ يَبْدُوْ اَمَامَ الْوَابِلِ ... فَالطَّلُّ طَلٌّ لَيْسَ كَالْهَتَّانِ

اور ہلکی ہلکی بارش (پھوار) ہو سلادھار بارش سے پہلے ہوتی ہے لیکن ہلکی بارش اور جھڑی میں بہت بڑا فرق ہے

٥١ بَطَلٌ وَحِيدٌ لَا تَطِيشُ سِهَامُهُ ۔ ذُو مُصْمِيَاتٍ مُوبِقُ الشَّيْطَانِ

آپ ہی ایک پہلوان ہیں جس کے تیر کبھی خطا نہیں جاتے ۔ نشانہ پر مہلک تیروں والے شیطان کے ہلاک کنندہ ہیں

٥٢ هُوَ جَنَّةٌ إِنِّي أَرَى أَثْمَارَهُ ۔ وَقُطُوفُهُ قَدْ ذُلِّلَتْ لِجَنَانِي

آپ ایک باغ ہیں میں دیکھتا ہوں کہ اُسکے پھل ۔ اور اُسکے خوشے جھکا کر میرے دل کے قریب کئے گئے ہیں

٥٣ أَلْفَيْتُهُ بَحْرَ الْحَقَائِقِ وَالْهُدَى ۔ وَرَأَيْتُهُ كَالدُّرِّ فِي اللَّمَعَانِ

میں نے آپ کو حقائق اور ہدایت کا سمندر پایا ۔ اور آب و تاب میں آپ کو موتی کی مانند دیکھا

٥٤ قَدْ مَاتَ عِيسَى مُطْرِقًا وَنَبِيُّنَا ۔ حَيٌّ وَرَبِّي إِنَّهُ وَافَانِي

حضرت عیسیٰؑ تو چپ چاپ سر جھکائے وفات پاگئے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور بخدا وہ مجھ سے ملے بھی ہیں

٥٥ وَاللّٰهِ إِنِّي قَدْ رَأَيْتُ جَمَالَهُ ۔ بِعُيُونِ جِسْمِي قَاعِدًا بِمَكَانِي

اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے آپ کا جمال دیکھا ہے ۔ اپنی جسمانی آنکھوں سے اپنے مکان میں

٥٦ هَا إِنْ تَظَنَّيْتَ ابْنَ مَرْيَمَ عَائِشًا ۔ فَعَلَيْكَ إِثْبَاتًا مِنَ الْبُرْهَانِ

دیکھو اگر تم بھی ابن مریمؑ کو زندہ خیال کرتے ہو ۔ تو دلیل سے ثابت کرنا تمہارا فرض ہے

٥٧ أَفَأَنْتَ لَاقَيْتَ الْمَسِيحَ بِيَقْظَةٍ ۔ أَوْ جَاءَكَ الْأَنْبَاءُ مِنْ يَقْظَانِ

کیا تم بیداری میں حضرت مسیحؑ سے ملے ہو؟ ۔ یا کسی جیتے جاگتے نے تمہیں خبر دی ہے کہ وہ زندہ ہیں

٥٨ أُنْظُرْ إِلَى الْقُرْآنِ كَيْفَ يُبَيِّنُ ۔ أَفَأَنْتَ تُعْرِضُ عَنْ هُدَى الرَّحْمٰنِ

قرآن کو دیکھو کہ وہ اُن کی وفات کیسے واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ کیا تم رحمٰن کی ہدایت سے منہ پھیرتے ہو؟

٥٩ فَاعْلَمْ بِأَنَّ الْعَيْشَ لَيْسَ بِثَابِتٍ ۔ بَلْ مَاتَ عِيسَى مِثْلَ عَبْدٍ فَانِ

جان لو کہ دائمی زندگی قائم و دائم نہیں ۔ بلکہ وہ ایک فانی بندے کی طرح فوت ہو چکے ہیں



٦٠ وَنَبِيُّنَا حَيٌّ وَإِنِّي شَاهِدٌ ۔ وَقَدِ اقْتَطَفْتُ قَطَائِفَ اللُّقْيَانِ

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور میں گواہ ہوں ۔ اور میں آپ کی ملاقات کے ثمرات سے بہرہ مند ہوا ہوں

٦١ وَرَأَيْتُ فِي رَيْعَانِ عُمْرِي وَجْهَهُ ۔ ثُمَّ النَّبِيُّ بِيَقْظَتِي لَاقَانِي

اور میں نے آغاز جوانی میں آپ کا روئے مبارک دیکھا ۔ پھر آپ نے عین بیداری کی حالت میں مجھے شرف ملاقات بخشا

٦٢ إِنِّي لَقَدْ أُحْيِيتُ مِنْ إِحْيَائِهِ ۔ وَاهًا لِإِعْجَازٍ فَمَا أَحْيَانِي

یقیناً میں آپ کے زندہ کرنے سے زندہ ہوا ہوں ۔ سبحان اللہ کیا اعجاز ہے اور مجھے کیا خوب زندہ کیا ہے

٦٣ يَا رَبِّ صَلِّ عَلَى نَبِيِّكَ دَائِمًا ۔ فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا وَبَعْثٍ ثَانِي

اے میرے رب اپنے نبی پر ہمیشہ درود بھیج ۔ اس دنیا میں بھی اور دوسرے عالم میں بھی

٦٤ يَا سَيِّدِي قَدْ جِئْتُ بَابَكَ لَاهِفًا ۔ وَالْقَوْمُ بِالْإِكْفَارِ قَدْ آذَانِي

اے میرے آقا میں مظلوم و مضطر ہونے کی حالت میں فریادی بنکر تیرے دروازہ پر حاضر ہوا ہوں بحالیکہ قوم نے مجھے کافر کہکر سخت ایذا دی ہے

٦٥ يَفْرِي سِهَامُكَ قَلْبَ كُلِّ مُحَارِبٍ ۔ وَيَشُجُّ عَزْمُكَ هَامَةَ الثُّعْبَانِ

تیرے تیر ہر محارب کے دل کو چیرتے ہیں ۔ اور تیرا عزم اژدہے کے سر کو کچل ڈالتا ہے

٦٦ لِلّٰهِ دَرُّكَ يَا إِمَامَ الْعَالَمِ ۔ أَنْتَ السَّبُوقُ وَسَيِّدُ الشُّجْعَانِ

آفرین اے مقتدائے عالم! ۔ تو سب سے آگے بڑھا ہوا اور تمام بہادروں کا سردار ہے

٦٧ أُنْظُرْ إِلَيَّ بِرَحْمَةٍ وَتَحَنُّنٍ ۔ يَا سَيِّدِي أَنَا أَحْقَرُ الْغِلْمَانِ

مجھ پر رحم اور شفقت کی نظر کرنا ۔ اے میرے آقا میں تیرا ایک ناچیز غلام ہوں

٦٨ يَا حِبِّ إِنَّكَ قَدْ دَخَلْتَ مَحَبَّةً ۔ فِي مُهْجَتِي وَمَدَارِكِي وَجَنَانِي

اے میرے پیارے تیری محبت میرے خون، میری جان، میرے حواس اور میرے دل میں رچ گئی ہے

۶۹ مِنْ ذِكْرِ وَجْهِكَ يَا حَدِيْقَةَ بَهْجَتِيْ ؛ لَمْ أَخْلُ فِيْ لَحْظٍ وَّلَا فِيْ آنِ

اے میری مسرت کے باغ تیرے مُنہ کی یاد سے — میں ایک آن اور ایک لحظ بھی خالی نہیں ہوتا

۷۰ جِسْمِيْ يَطِيْرُ إِلَيْكَ مِنْ شَوْقٍ عَلَا

میرا جسم شوق غالب کے سبب تیری طرف اُڑا جاتا ہے

يَا لَيْتَ كَانَتْ قُوَّةُ الطَّيَرَانِ

اے کاش! مجھ میں قوتِ پرواز ہوتی

---



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# شرح القصیدہ

## محبوب اپنے مُحِبّ کی نظر میں

حضرت مصنّف قصیدہ اپنے ممدوح سیّد الاوّلین والآخرین، شفیع المذنبین، محبوب ربّ العالمین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا عشق و محبّت رکھتے تھے۔ آپ کا یہ عقیدہ تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں یگانہ و منفرد ہے اسی طرح اس کے حبیب خاتم النبیّین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے کمالات اور اپنی صفات کے لحاظ سے تمام بنی نوع میں یکتا و بے ہمتا ہیں۔ نہ آپ سے پہلے کوئی آپ کے مقام رفیع تک پہنچ سکا ہے، نہ آپ کے بعد اور نہ قیامت تک پہنچ سکیگا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کی محبّت کے بعد آپ کو سب سے زیادہ محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے تھی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ؎

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم — گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

ہر تار و پود من بسراید بعشق او — از خود تہی و از غم آں دلستاں پُرم[1]

[1] ازالہ اوہام ص۱۷۶ طبع اوّل۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے بعد مَیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عشق میں سرشار ہوں۔ اگر یہ کفر ہے تو اللہ تعالیٰ کی قسم میں سخت کافر ہوں۔ میرا ہر رگ و ریشہ اس کے عشق کے رنگ کا رہا ہے۔ میں اپنی خواہشات سے خالی اور اس محبوب کے غم سے پُر ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ آپ نے جس انداز میں اللہ تعالیٰ سے اپنے عشق و محبت کا اظہار کیا ہے اسی انداز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی۔ مثلاً آپ اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتے ہیں ؎

در کوئے تو اگر سرِ عشاق را زنند　　　اول کسے کہ لافِ تعشق زند منم[1]

یعنی اگر تیرے کوچے میں عاشقوں کے سر اتارے جائیں، تو وہ پہلا شخص جو تیرے عشق کا نعرہ مارے گا وہ مَیں ہونگا۔

اسی طرح آپ اپنے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں فرماتے ہیں ؎

تیغ گر بارد بکوئے آں نگار　　　آں منم کاوّل کند جاں را نثار[2]

یعنی اگر محبوب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی گلی میں تلوار چلے تو وہ مَیں ہوں جو سب سے پہلے اپنی جان قربان کریگا۔

## دوسروں پر محبت میں سبقت لے جانا

جب کسی محبوب سے محبت کرنے والے بہت سے ہوں، تو سب سے زیادہ محبت کرنے والے کا باقی محبت کرنے والوں سے جاں نثاری میں

[1] آئینہ کمالات اسلام آخری صفحہ　[2] سراج منیر



سبقت لے جانے کا جذبہ ایک قدرتی امر ہے۔ اسی جذبہ محبت کی ترجمانی کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں ؎

منکہ مے بینم رُخِ آں دلبرے　　　جاں فشانم گر دہد دل دیگرے[1]

یعنی مَیں اس دلبر کا چہرہ دیکھ رہا ہوں، اگر کوئی اُسے دل دے تو مَیں جاں نثار کردوں۔

نیز فرماتے ہیں ؎

منکہ رہ بردم بخوبی ہائے بے پایانِ تو　　　جاں گدازم بہرِ تو گر دیگرے خدمتگذار[2]

یعنی کہ (اے میرے محبوب) تیری بے انتہا خوبیوں سے آگاہی پاچکا ہوں۔ اگر دوسرا تیرا خدمتگذار ہے۔ تو مَیں تیرے لئے جاں فدا کرنے والا ہوں۔

ان اشعار میں آپ نے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ میرے محبوب سے جو محبت رکھنے والے ہیں ان میں سے کوئی مجھ پر سبقت نہیں لے جاسکتا۔

## اپنے محبوب کیلئے غیرت دکھانا

اسی وفورِ محبت کی وجہ سے آپ کو اپنے محبوب کی عزت و عظمت کے خلاف ایک لفظ سُننا بھی گوارا نہیں تھا۔ اور اس سے آپ کو دلخراش تکلیف اور رُوح فرسا اذیت پہنچتی تھی۔ چنانچہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کے خلاف کورچشم و دریدہ دہن پادریوں کی یاوہ سرائیوں اور

[1] سراج منیر　[2] آئینہ کمالاتِ اسلام

ہرزہ درائیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"اللہ تعالیٰ کی قسم اگر میرے سب لڑکے بچے اور پوتے میرے انصار اور خدام میرے سامنے قتل کر دئے جاتے اور میرے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دئے جاتے اور میری آنکھوں کی پتلیاں نکال دی جاتیں اور میں اپنی تمام مرادوں سے محروم کر دیا جاتا تو یہ سب کچھ مجھ پر ان کے اس توہین آمیز استہزاد سے زیادہ شاق نہ گذرتا۔"[1]

ایک دفعہ جب آپ لاہور میں تشریف فرما تھے، پنڈت لیکھرام نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں سخت بدزبانی کر چکا تھا آپ کو سلام کہا۔ مگر آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر اُس نے دوبارہ سلام کیا لیکن آپ نے پھر بھی توجہ نہ فرمائی۔ اس پر آپ کے ایک مرید نے عرض کیا کہ پنڈت لیکھرام سلام کہتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ میرے آقا کو تو گالیاں دیتا ہے، اور مجھے سلام کہتا ہے۔ آپ کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ جو شخص آپ کے محبوب آقا کا بدگو ہے اس کو اس کے سلام کا جواب دیا جائے۔

### جوشِ عشق

آپ کی تحریروں کو پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے گویا آپ کے دل میں اپنے مطاع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت کا ایک سمندر موجزن ہے، اور جب اس میں جوش آتا ہے اور تلاطم کی صورت پیدا ہوتی ہے تو کوئی چیز اس کی بلند اور تیز موجوں کے سامنے ٹھہر نہیں سکتی۔ اشعارِ ذیل سے آپ کے جوشِ عشق

[1] آئینہ کمالات اسلام ترجمہ از عربی عبارت۔



و وفورِ محبت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ؎

تا بمن نُورِ رسول پاک را بنموده اند!
عشق او در دل ہمے جوشد چو آب از آبشار
آتشِ عشق از دم من ہمچو برقے مے جہد
یک طرف اے ہمدمان خام از گردم دوار

یعنی جب سے مجھے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نُور دکھایا گیا ہے، حضور کا عشق میرے دل میں یوں جوش مارتا ہے جیسے آبشار سے پانی۔ آپ کے عشق کی آگ میرے سانس سے بجلی کی طرح نکلتی ہے۔ اے خام طبع رفیقو! میرے آس پاس سے ہٹ جاؤ۔

### محبوب کے رنگ میں رنگین ہونا

پھر کمال محبت کی حقیقت یہ ہے کہ جو شخص کسی سے کامل محبت کرتا ہے وہ اس کے انداز اور اس کے طور و طریق اور اس کے شمائل و اخلاق کے رنگ سے رنگین ہو جاتا ہے، اور جسقدر زیادہ محبت ہوتی ہے اُسی قدر اپنے محبوب کی صفات کی طرف کھینچا جاتا ہے۔ حتّٰی کہ وہ اُسی کا نمونہ بن جاتا ہے اور جب یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو محب اور محبوب کے درمیان سے دوئی کا پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک بزرگ نے کہا ہے ؎

من تو شدم تو من شدی — من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں — من دیگرم تو دیگری

اسی طرح حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

"مقتضائے کمال محبت رفع اثنینیت است و اتحاد محب و محبوب۔[1]"

یعنی کمال محبت کا مقتضا یہ ہے کہ محب اپنے محبوب کے رنگ میں رنگین ہو کر دوئی کو اُٹھا دیتا ہے اور محب و محبوب آپس میں متحد ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ محبوب سبحانی حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ اپنے متعلق فرماتے ہیں :—

"ھٰذا وجود جدّی صلی اللہ علیہ وسلم لا وجود عبد القادر۔[2]"

یعنی یہ عبد القادر کا وجود نہیں بلکہ یہ میرے جدّ امجد محمّد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے۔

مؤلف گدستۂ کرامات مفتی غلام سرور صاحب حضرت شیخ رضؓ کا مندرجہ بالا ارشاد نقل کر کے لکھتے ہیں :—

"پس یہ کلام آنحضرت کی دلالت کرتی ہے اوپر فنائے اتم اور محو کامل آنجناب کے بیچ ذات بابرکات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے از راہ فرط عشق و محبت ذات در ذات ہو کر فنا فی الرسول ہو گئے تھے۔ ذاتاً و صفاتاً، قولاً و فعلاً، حالاً و کمالاً۔[3]"

---

[1] مکتوبات امام ربانی جلد ۳ ص۱ مکتوب ۳۵۔ [2] کتاب مناقب تاج الاولیاء مطبوعہ مصر ص۳۵
[3] گدستۂ کرامات مطبوعہ افتخار دہلی ص۸



حضرت احمد علیہ السلام مصنّف قصیدہ کو بھی اپنے محبوب حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی عشق اور کمال محبت کی وجہ سے مقام اتحاد حاصل تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ؎

محو روئے او شد است ایں روئے من
بُوئے اُو آید ز بام و کوئے من

بسکہ من در عشق او ہستم نہاں
من ہمانم، من ہمانم، من ہماں

جانِ من از جانِ او یابد غذا
از گریبانم عیاں شد آں ذُکا

احمدا اندر جانِ احمد شد پدید
اسم من گر دید آں اسم وحید[1]

یعنی یہ میرا چہرہ اس کے چہرہ میں محو اور گم ہو گیا اور میرے مکان اور کوچہ سے اس کی خوشبو آ رہی ہے۔

از بسکہ مَیں اس کے عشق میں غائب ہوں۔ مَیں وہی ہوں، مَیں وہی ہوں۔ مَیں وہی ہوں۔

میری رُوح اس کی رُوح سے غذا حاصل کرتی ہے اور میرے گریبان سے وہی سورج نکل آیا ہے۔

احمدا کی جان کے اندر احمد ظاہر ہو گیا۔ اس لئے میرا وہی نام ہو گیا جو اس لاثانی انسان کا نام ہے۔

---

[1] ضمیمہ سراج منیر۔

## حیاتِ جاودانی

اس حالت میں عاشق صادق اور محب کامل اپنے محبوب میں فنا ہو کر وہ زندگی پاتا ہے جو محبوب کو حاصل ہوتی ہے۔ اور اس شعر کا مصداق بن جاتا ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام شاں

اور ایسے فنا فی المحبوب کی محبت دائم و قائم رہتی ہے اور موت و فنا سے آزاد ہو جاتی ہے۔ مصنفِ قصیدہ حضرت بانئے جماعت احمدیہ کو اپنے محبوب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی ہی غیر فانی محبت تھی۔ آپ فرماتے ہیں ؎

إِنِّیْ أَمُوْتُ وَلَا تَمُوْتُ مَحَبَّتِیْ
یُدْرٰی بِذِکْرِكَ فِی التُّرَابِ نِدَائِیْ

اے میرے محبوب! اگرچہ میں وفات پا جاؤں گا لیکن میری محبت ہمیشہ زندہ رہے گی اور اس پر کبھی موت وارد نہ ہوگی۔ اور زمین میں پڑے ہوئے لوگوں کی جب آوازیں سنائی دینگی تو میری آواز تیرے ذکر سے شناخت کی جائیگی۔ دوسرے لوگ تو اپنے اور دلبروں کا نام لے رہے ہوں گے لیکن میری زبان پر تیرا نام ہوگا۔ اور وہ اے میرے پیارے محمدؐ، اے میرے محبوب محمدؐ، اے میرے معشوق محمدؐ کا نعرہ بلند کر رہی ہوگی۔ اللّٰھم صلّ علی محمدٍ و علی عاشقہ المسیح الموعود وبارك وسلم۔



۱۔ یَا عَیْنَ فَیْضِ اللّٰہِ وَالْعِرْفَانِ
یَسْعٰی اِلَیْكَ الْخَلْقُ كَالظَّمْاٰنِ

**معانی الالفاظ**

عَیْنٌ۔ اس لفظ کے عربی زبان میں قریباً ساٹھ معنے ہیں۔ لیکن یہاں اس کے معنے بہنے والے چشمہ یا منبع کے ہیں اور اسکی جمع اَعْیُنٌ اور عُیُوْنٌ ہے۔ اور اس کے

---

؎ اِس قصیدہ کی بحر الرجز ہے اور اس کا وزن مُسْتَفْعِلُنْ مستفعلن مستفعلن کرّر ہے۔ اس بحر کے مشہور چار عروض اور پانچ ضربیں ہیں۔ پہلے شعر میں عروض اوّل اور ضرب مقطوع ہے۔ مقطوع سے مراد یہ ہے کہ اسکا آخری حرف کاٹ دیا گیا ہے۔ یعنی مستفعلن کا نون گرا دیا گیا ہے۔ باقی مُسْتَفْعِلْ رہ گیا۔ پھر اسے مفعولن بنا دیا گیا۔ پہلے شعر کی تقطیع یوں ہے:

یَا عَیْ نَفَیْ ضِلْ لَاهِ وَلْ عِرْ فَانِیْ۔ یَسْعٰی اِلَیْ كَلْ خَلْ قُكَظْ ظَمْ اٰنِیْ

مستفعلن مستفعلن مفعولن۔ مستفعلن مستفعلن مفعولن

اس قصیدہ کے ابیات کے عروض اور ضروب میں کبھی خبن واقع ہو کر مستفعلن مفاعلن کی صورت میں تبدیل ہو گیا ہے۔ اور کبھی زحاف طی واقع ہو کر مفتعلن اور کبھی زحاف قطع داخل ہو کر مفعولن بن گیا ہے۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ اور بعض موقعوں پر اسکان و تحریک اور بعض جگہ تخفیف حروف و حرکات سے بھی جنہیں شعرائے عرب نے جائز قرار دیا ہے کام لیا گیا ہے۔ شعرائے عرب کے کلام میں ایسے تصرفات بکثرت موجود ہیں۔ کبھی وہ متحرک کو ساکن کر دیتے ہیں۔ جیسے شعر ؎

تَاَمَّتْ فُؤَادَكَ لَوْ یَحْزُنُكَ مَا صَنَعَتْ
اِحْدٰی نِسَاءِ بَنِیْ ذُهْلِ ابْنِ شَیْبَانَا

ایک معنے ذَاتُ الشَّیْءِ وَنَفْسُہٗ ہوتے ہیں۔ یعنی بعینہ وہی چیز۔
اس معنے کے لحاظ سے پہلے مصرعہ کا یہ ترجمہ ہوگا۔ اے اللہ تعالیٰ کے
مجسّم فیض وعرفان۔

**فیض:** فاض السیل فیضا اس وقت کہا جاتا ہے جب سیلاب
کا پانی زیادہ ہو کر وادی کے کناروں پر سے بہ پڑے۔ مَاءٌ فَیْضٌ۔
کے معنے ہیں بہت پانی۔ اور اصطلاح میں فیض اللہ سے مراد وہ روحانی

---

بقیہ حاشیہ ص ۲۵۔ اس میں یحزن کا نون جو متحرک تھا ساکن کر دیا گیا ہے جیسے
امرء القیس کے شعر ؎

فالیوم اشرب غیر مستحقب    اثما من اللہ ولا واغل

میں اشرب کی باء جو متحرک تھی ساکن کر دی گئی ہے۔ اور کبھی قافیہ کی موافقت کی خاطر
متحرک کو ساکن کر دیتے ہیں۔ جیسے مقامات ہمذانی کے مقالہ المغزلیۃ میں
اَلسَّبَلُ کی متحرک باء ساکن کی گئی ہے ؎

حُلْوٌ مَلِیْحُ الشَّکْلِ    صَافٍ زَھِیْدُ الْاَکْلِ
سَامٍ کَثِیْرُ النُّبْلِ    حَوْفُ اللِّحٰی وَالسَّبْلِ

اور کبھی تخفیف کے لئے ایک حرف حذف کر دیا جاتا ہے جیسا کہ کعب بن زہیر کے شعر ؎

فما تدوم علی حال تکون بھا    کما تلون فی اثوابھا الغول

میں تتلون کی تاء حذف کر دی گئی ہے۔ اور کبھی غیر منصرف کو منصرف کی طرح
پڑھا جاتا ہے۔ جیسا کہ کعب بن زہیر کے شعر میں ؎

تخذی علی یسرات وھی لاحقۃ
ذَوَابِلٍ مسھن الارض تحلیلُ

ذوابلٍ تنوین کے ساتھ باندھا گیا ہے۔



علوم اور ربانی اسرار ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنے فضل سے بکثرت عطا فرماتے ہیں۔

**یسعیٰ:** سعیٰ امنی سے مضارع کا صیغہ ہے۔ جس کے معنے کوشش
کرنے، چلنے اور دوڑنے کے ہیں۔ سعیٰ الیہ کے معنے ہیں قصدہ اس کا
قصد کیا۔

**الخلق:** الناس یعنی لوگ۔

**الظمآن:** مفرد ہے اس کی جمع ظِمَاء ہے۔ ظَمِیَ کے معنے ہیں،
اُسے سخت پیاس لگی۔ الظمآن۔ سخت پیاسا۔ ظَمِیَ اِلَیْہِ کے معنے
ہیں اشتاق۔ اس کا مشتاق ہوا۔ اس کی طرف شوق کا اظہار کیا۔

**ترجمہ:**۔ اس شعر کے اردو میں دو ترجمے ہو سکتے ہیں۔
۱۔ اے اللہ تعالیٰ کے فیض اور عرفان کے چشمے! لوگ سخت
پیاسوں کی مانند تیرا قصد کر رہے ہیں۔
۲۔ اے اللہ تعالیٰ کے مجسّم فیض وعرفان۔ لوگ تیری طرف
مشتاق وار دوڑے آتے ہیں۔

**شرح:**۔ اس شعر سے جو قصیدہ کا مطلع ہے مصنف قصیدہ
کا اپنے ممدوح سے کمال درجہ کا عشق ظاہر ہوتا ہے۔ اکثر شعراء کے
قصائد کے ابتدائی اشعار میں تشبیب پائی جاتی ہے جس میں وہ اپنے
محبوب کے متعلقات اور اس کی ظاہری صفات کا ذکر کرتے ہیں جو شاعر
کے دل میں محبوب کی یاد پیدا کرتیں اور اس کی آتش محبت کو تیز کرتی
ہیں۔ مثلاً امرء القیس کے قصیدہ میمیہ کا مطلع یہ ہے ؎

قف بالدیار التی لم یعفها القدم

بلیٰ وغیّرها الارواح والدیم

اے امرئ القیس! تو ان بستیوں میں جو محبوب کی بستیاں ہیں ذرا ٹھہر جا جنہیں زمانہ نے مٹایا تو نہیں البتہ ہواؤں اور بارش نے ان کی حالت تبدیل کر دی ہے۔

اسی طرح کعب بن زہیر نے جو قصیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں کہا جو "بانت سعاد" کے نام سے مشہور ہے اس میں انہوں نے پہلے سعاد کی جدائی اور اس کی ظاہری خوبصورتی اور اس کے سفر اور سواریوں وغیرہ کے وصف بیان کر کے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی ہے۔

اور علامہ محمد البوصیری رحمہ اللہ کا مشہور قصیدہ بُردہ اس طرح شروع ہوتا ہے ؎

أمن تذکر جیران بذی سلم — مزجت دمعا جری من مقلة بدم

ام هبت الریح من تلقاء کاظمة — او اومض البرق فی الظلماء من اضم

کیا ذی سلم مقام کے ہمسایوں (یعنی اہل مدینہ) کی یاد سے تُو نے آنسوؤں کو جو تیری آنکھوں سے رواں ہیں خون سے ملا دیا ہے یا مدینہ منورہ کی طرف سے ہوا چلی ہے یا اندھیری رات میں اضم پہاڑ سے بجلی چمکی ہے جس نے تجھے محبوب کی یاد دلائی ہے۔

لیکن مصنف قصیدہ کی جذب محبت کا یہ عالم ہے کہ گویا آپکا محبوب ہر گھڑی آپ کے رو برو موجود ہے اور آپ بغیر تشبیب کے اُسے مخاطب کر کے



اس کی مدح میں یوں رطب اللسان ہیں ؎

یَا عُیُونَ فَیْضِ اللّٰہِ وَالْعِرْفَانِ — یَسْعٰی اِلَیْکَ الْخَلْقُ کَالظَّمْآنِ

اس شعر میں جو قصیدہ کا مطلع ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بے نظیر کمال کا ذکر پایا جاتا ہے۔ جس طرح دنیا میں مصفّا پانی چشموں سے حاصل ہوتا ہے اسی طرح فیض روحانی اور برکات آسمانی اور عرفان الٰہی حاصل کرنیکا سرچشمہ اور منبع آپ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آپ کی بعثت کے وقت

"دنیا شرک اور بت پرستی سے بھری ہوئی تھی۔ کوئی پتھر کی پُوجا کرتا تھا اور کوئی آگ کی پرستش کرتا تھا۔ اور کوئی سورج کے آگے ہاتھ جوڑتا تھا۔ کوئی پانی کو اپنا پرمیشر خیال کرتا تھا۔ اور کوئی انسان کو خدا بنائے بیٹھا تھا۔ علاوہ اس کے زمین ہر قسم کے گناہ اور ظلم اور فساد سے بھری ہوئی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کی موجودہ حالت کے بارے میں قرآن شریف میں خود گواہی دی ہے اور فرماتا ہے ظھر الفساد فی البرّ والبحر۔ یعنی دریا بھی بگڑ گئے اور خشک زمین بھی بگڑ گئی۔ مطلب یہ کہ جس قوم کے ہاتھ میں کتاب آسمانی تھی وہ بھی بگڑ گئی اور جن کے ہاتھ میں کتاب آسمانی نہیں تھی اور خشک جنگل کی طرح تھے وہ بھی بگڑ گئے۔ اور یہ ایک ایسا سچا واقعہ ہے کہ ہر ایک ملک کی تاریخ اس پر گواہ ناطق ہے۔"[1]

[1] چشمہ معرفت ملحقہ مضمون ص۹

ساری زمین پر خطرناک ظلمت چھائی ہوئی تھی اور زمانہ "شب تاریک و بیم موج و گرداب چنیں حائل" کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ ہندوستان جو زمانہ قدیم میں مذہب کا گہوارہ رہ چکا تھا مذہبیت تو کیا انسانیت بھی کھو بیٹھا تھا۔ برہمنوں نے جو مذہبی لیڈر تھے ایک بہت بڑے طبقہ کو جو کروڑوں نفوس پر مشتمل تھا اچھوت قرار دے دیا تھا۔ وہ ابدی ناپاک سمجھے جاتے تھے۔ برہمنوں کا دور دورہ تھا وہ جو چاہتے کرتے تھے۔ ان کا گناہ گناہ نہیں بلکہ ثواب سمجھا جاتا تھا۔ مندروں کے مہنت اور پجاری دیوتاؤں کی طرح پوجے جاتے تھے اور عیش و عشرت میں مست تھے۔ رقص و موسیقی کو انہوں نے عبادت میں داخل کر لیا تھا۔ اس لئے مندروں کی حالت حد درجہ ناگفتہ بہ تھی۔ وہ فسق و فجور کے اڈے تھے۔ اور عوام الناس کی بھی دینی حالت حد درجہ گر چکی تھی۔ پتھروں اور درختوں وغیرہ کی پرستش سے تسلی نہ پا کر عورتوں اور مردوں کے شہوانی قویٰ تک کی پرستش جاری ہو چکی تھی۔ عیسائیوں کے گرجوں کی حالت ہندوؤں کے مندروں سے بہتر نہ تھی وہ بھی فسق و فجور کے اڈے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان راہبوں اور راہبات کی حالت جنہوں نے خدا تعالیٰ کیلئے دنیا کو تیاگ دینے کا عہد کیا تھا اکثرھم فاسقون بیان فرمائی ہے۔ یعنی ان کی اکثریت بدکار ہو چکی ہے اور نحن ابناء اللہ و احباءہ کا نعرہ لگانے والوں کے متعلق فرماتا ہے جعل منھم القردۃ والخنازیر وعبد الطاغوت کہ وہ بندروں کی طرح نقال اور ذلیل اور اخلاقی لحاظ سے خنزیروں کی طرح بے حیا اور شہوت پرست تھے۔ یہ تو علماء کی حالت تھی۔ عوام کی حالت یہ تھی کہ



وہ طاغوت یعنی حدود الٰہی توڑنے اور اللہ تعالیٰ سے سرتابی کرنے والوں کے پرستار اور عابد بن چکے تھے۔ روحانیت مفقود ہو چکی تھی۔ تعلق باللہ کے نشانات کسی مذہب میں موجود نہ تھے۔ روحانیت کے سب چشمے ختم ہو چکے تھے۔ یہ حالات تھے جن میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا کی طرف مبعوث کر کے اعلان فرمایا :-

" وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا لِنُحْيِيَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَا اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ۔"[1]

یعنی ہم نے آسمان سے مصفا اور مطہر پانی اتارا ہے۔ تاکہ ہم اس کے ذریعہ مردہ شہر کو زندہ کریں۔ مراد یہ ہے کہ مردہ قوم عرب اس پانی سے روحانی زندگی پائیگی۔ فرمایا۔ اور اسی طرح ہم یہ پانی ایسی قوموں کو پلائینگے جو اس وقت حیوانات کی سی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ اور اسی طرح بہت سے ان لوگوں کو بھی پلائیں گے جن میں تمدن و تہذیب پائی جاتی ہے۔ جس سے انہیں عرفان الٰہی حاصل ہوگا اور وہ اپنی زندگیوں میں ایک روحانی انقلاب پیدا کر کے اپنے ازلی محبوب سے تعلق پیدا کرینگے۔ چنانچہ آپ ہی کی غلامی اختیار کر کے دنیا کی مختلف اقوام کے لوگ فیوض روحانیہ اور مکاشفات اور مکالمات و مخاطبات الٰہیہ سے مشرف ہوئے۔

۱؎ الفرقان ع۵ ۔

اور آپ کی بعثت کے بعد قیامت تک کے لئے یہ قرار پایا کہ اب کوئی شخص خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو بجز آپ کی متابعت اور پیروی کے انعاماتِ الٰہیہ سے حصّہ نہیں پا سکتا اور انعام پانیوالے گروہ میں شامل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ [1]

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اطاعت سے آئندہ روحانی انعامات ملیں گے اور روحانیت کے مراتب اربعہ نبوت، صدیقیت، شہادت اور صالحیت صرف انہیں کو حاصل ہونگے جو اللہ تعالیٰ اور آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری اطاعت کرینگے اور وہ کامل علم کا ذریعہ جس سے تمام شکوک و شبہات دور ہو جاتے ہیں اور جس سے عرفانِ الٰہی حاصل ہوتا ہے یعنی انعام مکالمہ و مخاطبۂ الٰہیہ وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین ہی کو حاصل ہو گا۔ دوسرے تمام اہلِ مذاہب ہندو ہوں یا موسائی، زردتشتی ہوں یا بدھ کے شیدائی، عیسائی ہوں یا کسی اور مذہب کے پیرو ہوں اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم رہیں گے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے سوا باقی سب مذاہب مکالمہ و مخاطبۂ الٰہیہ کا دروازہ بند کر چکے ہیں۔ اور اپنے آپ کو اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم قرار دے چکے ہیں۔

[1] النساء ع ۹



لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کا یہ محروم رہنا خود انہی کی کرتوت یعنی صراط مستقیم سے گریز و اجتناب کے نتیجہ میں ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ انسان کے دل میں اپنے محبوب کے دیدار اور اُس کا پُر لذت اور پُر شوکت کلام سُننے کی زبردست خواہش پائی جاتی ہے۔ اور کامل معرفت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اپنے کانوں سے اپنے ازلی محبوب کی میٹھی اور پیاری آواز نہ سُن لی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سچے عاشق اور اس کے حقیقی دلدادہ اس بات پر کہاں راضی ہو سکتے ہیں کہ وہ اس کے آستانہ پر سر رکھ کر شب و روز روئیں اور گڑگڑائیں اور نہایت تضرع اور عاجزی سے دُعائیں کریں چیخیں چلائیں اور انتہائی سوز و گداز سے اُس کو پکاریں لیکن اس کی طرف سے کوئی جواب نہ پائیں۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی عاشق صادق کبھی اسکو گوارا نہیں کر سکتا۔ اس کی عاشقانہ فطرت سے کبھی یہ طلب دُور نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے محبوب ازلی کا روح افزا اور تسلی بخش کلام سُنے۔ اس کے دل کی گہرائیوں سے یہ صدائے خاموش بلند ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے ؎

عشق مے خواہد کلامِ یار را ۔۔۔ رو بپرس از عاشق ایں اسرار را

اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا عاشق اور اس کے اسرارِ عشق کا واقف اور اس کے طالبوں کو اُس کے ملانے کا ماہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کوئی نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضور سے اپنے طالبوں

کی فطرتی آواز کا یہ جواب دلوایا ہے :-

"اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" [۱]

اے اللہ تعالیٰ سے عشق و محبت کا دعویٰ کرنے والو! اگر تم اپنے دعویٰ میں صادق ہو۔ اور تمہارے دلوں میں اس ازلی محبوب سے ملنے کی تڑپ ہے تو آؤ میری پیروی کرو۔ میں تمہیں تمہارے محبوب سے ملا دوں گا اور اس وصل و تقرب کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمہیں اپنا محبوب بنا لیگا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

"وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ" [۲]

اے محمد رسول اللہ! جب میرے بندے مضطر ہو کر اور ہمہ تن التجا بنکر تجھ سے میرے بارہ میں دریافت کریں تو تُو ان سے کہدے کہ میں یقیناً قریب ہوں۔ جب پکارنے والا مجھے پکارے تو میں اُسے جواب دیتا ہوں۔

ان آیات سے بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے سب دروازے بند ہو گئے۔ صرف ایک ہی دروازہ کھلا ہے جو محمدی دروازہ ہے اور تمام روحانی چشمے خشک ہو گئے۔ صرف ایک ہی چشمہ جاری ہے۔ جو کبھی خشک نہ ہوگا۔ اور وہ محمدی چشمہ ہے۔ اس لئے حضرت احمد علیہ السلام مصنف قصیدہ نے اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اپنے اس قصیدہ کے مطلع میں فرمایا کہ چونکہ آسمانی فیض اور روحانی معرفت حاصل کرنے کا آپ کے سوا کوئی ذریعہ باقی

[۱] آل عمران ع ۴ [۲] البقرۃ ع ۲۳



نہیں رہا۔ اس لئے آپ ہی اللہ تعالیٰ کے فیض اور عرفان کا سرچشمہ ہیں۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت کے پیاسے اور اس محبوب ازلی کی جستجو میں سرگردان و پریشان ہیں وہ سخت پیاسے کی طرح انتہائی اشتیاق سے آپ کا قصد کرتے اور بڑی تیزی سے آپ کی طرف دوڑتے ہیں تا جلد سے جلد آپ تک جو چشمۂ فیض و عرفان الٰہی ہیں پہنچ جائیں اور جی بھر کر پیاس بجھائیں اور سیراب ہو جائیں۔

۲۔ يَا بَحْرَ فَضْلِ الْمُنْعِمِ الْمَنَّانِ
تَهْوِيْ اِلَيْكَ الزُّمَرُ بِالْكِيْزَانِ

**معانی الالفاظ** البحر: سمندر۔ ہر بڑا دریا اور نہر۔ اس کی جمع اَبْحُر اور بُحُوْر اور بِحَار ہے۔

المنّان: کثیر المنّ والاحسان۔ المنّ۔ ہر ایک چیز جو بطور انعام دی جائے۔ یعنی بہت احسان کرنے والا۔ اور بہت انعام دینے والا

تهوی۔ هَوَتِ النَّاقَةُ بِرَاكِبِهَا کے معنے ہیں اونٹنی سوار کو تیزی سے لے گئی۔ هَوَى الشَّيْءُ۔ وہ چیز بلندی سے نیچے کو گری۔ هَوٰى فِي الْاَرْضِ۔ زمین میں سفر کیا۔

اَلزُّمَرُ۔ زُمْرَة کی جمع ہے جس کے معنے جماعت اور فوج کے ہیں۔

اَلْكِيْزَان۔ كُوْزٌ کی جمع ہے۔ کوزے۔

**ترجمہ:**۔ اے منعم و منّان خدا تعالیٰ کے فضل کے سمندر! لوگ

فوج در فوج کوزے سے تیزی سے تیری طرف آ رہے ہیں۔

**شرح** ۔ پہلے شعر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائی حالت کے لحاظ سے چشمہ قرار دیا تھا ۔ اور چشمہ ایک چھوٹی سی جگہ میں بھی ہو سکتا ہے جس سے ایک وقت میں تھوڑے آدمی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں ۔ اور اس دوسرے شعر میں حضور کی وسعت دعوت کو ملحوظ رکھ کر سمندر کہا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ حضور کی فیض رسانی چشمہ کی فیض رسانی کی طرح محدود نہیں بلکہ سمندر کی طرح وسیع ہے جس طرح سمندر سے بیک وقت گروہ در گروہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں اسی طرح حضور سے بھی۔

۳۔ يَا شَمْسَ مُلْكِ الْحُسْنِ وَالْإِحْسَانِ
نَوَّرْتَ وَجْهَ الْبَرِّ وَالْعُمْرَانِ

**معانی الالفاظ**
اَلْبَرُّ ۔ خشک زمین ۔ جنگل اور صحرا ۔ مُراد غیر آباد جگہیں ۔
العمران ۔ آبادی جہاں لوگ ایک نظام اور تمدن کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔

**ترجمہ** ۔ اے ملک حسن و احسان کے آفتاب ! تُو نے غیر آباد اور آباد جگہوں کو یکساں طور پر روشن کر دیا ہے۔

**شرح** ۔ اس شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باعتبار فیضانِ عام کے سورج سے تشبیہہ دے کر ظاہر فرمایا ہے کہ جس طرح سورج سے غیر آباد



علاقے دشت و صحرا وغیرہ اور آباد مقامات شہر و دیہات وغیرہ روشنی پاتے ہیں بجز ان لوگوں کے جو اپنے اور سورج کے درمیان کوئی پردہ حائل کریں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عالم روحانی کے سورج ہیں تمام اقوام عالم خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا غیر اہل کتاب آپ کے نُور سے مستفید ہو رہے ہیں بجز اُن لوگوں کے جنہوں نے خود کوئی پردہ حائل کر لیا ہے اور جو دل کے اندھے ہیں ۔ ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فمالہ من نور

اسی طرح ایک اور مقام پر آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و احسان کے متعلق فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں یوسفے بینم دریں چاہ ذقن
واں مسیح ناصری شد از دم او بے شمار

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کا یہ عالم ہے کہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی مثل (جو حسن و جمال میں ضرب المثل ہیں) لاکھوں یوسف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہِ ذقن میں دیکھتا ہوں۔

ایک مطلب تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن لاکھوں یوسف پر فائق ہے ۔ دوسرا یہ کہ لاکھوں یوسف باوجود اپنے کمال حسن کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن پر نثار اور حضور کی محبت کے اسیر ہیں ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احسانِ روحانی اس قدر عام اور بلند ہے کہ حضور کے دم یعنی انفاسِ طیّبہ کی برکت سے آپ کی امت میں سے بے شمار مسیح ہو چکے اور ہونگے ۔ اور جو روحانی شربت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دیگر انبیاء کو پلایا گیا ۔ آپ کے کامل متبعین

"وہی شربت نہایت کثرت سے، نہایت لطافت سے، نہایت لذت سے پیتے ہیں اور پی رہے ہیں۔ اسرائیلی نور ان میں روشن ہیں بنی یعقوب کے پیغمبروں کی ان میں برکتیں ہیں۔ سبحان اللہ! ثم سبحان اللہ! حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کس شان کے نبی ہیں! اللہ اللہ کیا عظیم الشان نور ہے! جس کے ناچیز خادم جس کی ادنیٰ سے ادنیٰ امت، جس کے احقر سے احقر چاکر مراتب مذکورہ بالا تک پہنچ جاتے ہیں[1]"

اور جیسے مسیح ناصری علیہ السلام روحانی مُردے زندہ کرتے تھے ویسے ہی آپ کے پیرو مُردہ دلوں کو زندہ کرتے اور انہیں روحانی زندگی بخشنے والے جام پلاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے عیسیٰ ثانی ہو جانے کے متعلق اپنے دیوان میں فرماتے ہیں ؎

دمبدم روح القدس اندر معینے مے دمد
من نمے گویم مگر من عیسیٰ ثانی شدم

اور مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

| | |
|---|---|
| علیہم لیکن ہر آں کو یافت جاں | از دم من او بماند جاوداں |
| شد ز عیسیٰ زندہ لیکن باز مرد | شاد آں کو جاں بدیں عیسیٰ سپرد |

ان اشعار میں مولانا رومیؒ نے اپنے آپ کو عیسیٰ قرار دیکر کہا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو جو مُردے زندہ کئے وہ تو پھر مر گئے۔ لیکن

[1] براہین احمدیہ حصہ دوم ص ۲۴۷



وہ خوش ہو جس نے اپنے آپ کو مجھ عیسےٰ کے سپرد کیا کیونکہ وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔

چونکہ صاحب قصیدہ کے ممدوح ملک حسن و احسان کے سورج تھے اس لئے دنیا کی کوئی چیز آپ کی محبت کے راستے میں روک نہیں بن سکتی تھی اور نہ دنیا کا کوئی اور دلبر آپ کی محبت میں رخنہ انداز ہو سکتا تھا اس لئے آپ فرماتے ہیں ؎

| | |
|---|---|
| بیادِ حسن و احسانِ محمدؐ | بسے سہل است از دنیا بریدن |
| کہ ہستم کشتۂ آن محمدؐ | بدیگر دلبرے کارے ندارم |

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و احسان یاد کرکے ساری دنیا سے قطع تعلق کر لینا میرے لئے بہت آسان ہے اور کسی اور معشوق سے مجھے کوئی واسطہ نہیں ہے کیونکہ میں تو محمدؐ کی آن کا کشتہ ہوں۔

۴۔ قَوْمٌ رَءَوْكَ وَاُمَّةٌ قَدْ اُخْبِرَتْ
مِنْ ذٰلِكَ الْبَدْرِ الَّذِىْ اَصْبَانِىْ

**معانی الالفاظ** اَصْبَانِيْ :۔ اصبی الشیئ فلانا کے معنے ہیں کہ اس چیز نے فلاں کو اپنا مشتاق اور فریفتہ بنا لیا۔

**ترجمہ** ۔ ایک قوم تیری رؤیت سے مشرف ہوئی اور ایک جماعت نے اس بدر کی خبر سُنی جس نے مجھے اپنا گرویدہ کر لیا ہے۔

**شرح** ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ آپ عالم روحانی کے سورج ہیں

تو پھر وہ قومیں جو آپ سے پہلے گذر چکیں اور وہ جو آپ سے پیچھے آئیں گی آپ
کے نور سے کیوں محروم کی گئیں؟ اِس سوال کا اس شعر میں یہ جواب دیا ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات ہر زمانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ زمانہ
ماضی کے ساتھ اس طرح کہ گذشتہ اقوام کے انبیاء نے اللہ تعالیٰ سے علم
پا کر آپ کے ظہور کی خبر دی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (استثنا ۱۸/۱۸)
فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسمٰعیل میں سے میری مانند
ایک نبی مبعوث فرمائیگا۔ اور وہ اس سے ہمکلام ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام
کو آپ کے عالیشان مقام اور شریعت کاملہ دیئے جانے کے متعلق علم دیا گیا
تھا۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اس عظیم الشان تجلی الٰہی کے
دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہونے والی تھی اور آپنے
اللہ تعالیٰ سے درخواست کی "رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ" اے میرے ربّ
مجھے اپنا وہ جلوہ دکھا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ
نے جواب دیا کہ اس تجلی کی تم تاب نہیں لا سکتے۔ کیونکہ وہ تجلی مقام محمدیت
سے مخصوص ہے۔ لیکن ہم اس تجلی کو پہاڑ پر ظاہر کرتے ہیں۔ اگر پہاڑ اُسے
برداشت کر سکے اور اپنی جگہ پر قائم رہے تو تم بھی اس تجلی کو دیکھ سکو گے
فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ پھر جب پہاڑ پر اس تجلی کا ظہور ہوا جَعَلَهٗ
دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا تو پہاڑ میں زلزلہ پیدا ہو کر وہ زمین پر
آ رہا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے۔ تو
انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہوئے اُس کے حضور توبہ کی اور کہا



وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ کہ میں اس نبی پر سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں
جو اس عظیم الشان تجلی کا مورد ہوگا۔ چنانچہ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ
نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ایمان کا تذکرہ کیا ہے۔ فرمایا:۔

"وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی
مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَ اسْتَكْبَرْتُمْ"[۵]

کہ بنی اسرائیل کے ایک عظیم الشان شاہد نے شہادت دی تھی
کہ اس کی مانند ایک نبی آئیگا۔ پس وہ اس پر ایمان لے آیا اور
تم تکبر کر رہے ہو اور ایمان نہیں لاتے۔
یہی بات امام شرف الدین ابو عبد اللہ محمد بن السعید البوصیری رحمہ اللہ
نے اپنے قصیدہ الھمزیہ فی مدح خیر البریّہ کے اس شعر میں بیان
کی ہے ؎

مَا مَضَتْ فَتْرَةٌ مِّنَ الرُّسُلِ اِلَّا بَشَّرَتْ قَوْمَهَا بِكَ الْاَنْبِيَاءُ

یعنی رسولوں کی فترت کا کوئی زمانہ نہیں گذرا مگر انبیاء نے اپنی اپنی قوم
کو تیرے آنے کی بشارت دی تھی۔
اور آئندہ زمانہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بروزی رنگ میں
آنے کی خبر قرآن مجید کی آیت وَ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ
میں دی گئی ہے۔ اور اس شعر میں آپ کو بدر اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ
کی بعثت اولیٰ گو جمالی اور جلالی دونوں رنگ کی تھی۔ مگر اس میں زیادہ تر اسم
محمد کی تجلی ہوئی تھی جو جلالی نام ہے۔ اور آپ کی بعثت ثانیہ جمالی رنگ

[۵] احقاف ع ۱۔

میں ہونے والی تھی - اور جو شخص بروزی رنگ میں آپ کے نام پر ظاہر ہونے والا تھا اُسے بدر کی صورت میں ظاہر ہونا تھا - اس لئے اس شعر میں مجازی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر قرار دیا جو سورج سے روشنی حاصل کرکے لوگوں کو منوّر کرتا ہے -

اس شعر میں علم بدیع کی صنعت التفات استعمال کی گئی ہے - پہلے مصرعہ میں ممدوح سے خطاب کیا گیا ہے اور دوسرے مصرعہ میں اس کا ذکر بصیغہ غائب کیا گیا ہے -

۵- يَبْكُوْنَ مِنْ ذِكْرِ الْجَمَالِ صَبَابَةً
وَتَأَلُّمًا مِنْ لَوْعَةِ الْهِجْرَانِ

۶- وَأَرَى الْقُلُوْبَ لَدَى الْحَنَاجِرِ كُرْبَةً
وَأَرَى الْغُرُوْبَ تُسِيْلُهَا الْعَيْنَانِ

**معانی الالفاظ** يَبْكُوْنَ - جمع مذکر غائب مضارع کا صیغہ ہے - اسکی ماضی بکیٰ ہے جسکے معنے ہیں اس کے آنسو بہے -

صبابة - شوق اور شدّت محبت -

لوعة - سوز غم اور جدائی کی جلن - کہتے ہیں فِيْ قَلْبِهٖ لَوْعَةٌ - یعنی اس کے دل میں سوز اور جلن پائی جاتی ہے -

الھجران - جُدائی علیحدگی - الحنجرة : الحلقوم



**ترجمہ** - لوگ آپ کے جمال کی یاد میں شوق و محبت کے مارے روتے ہیں جدائی کی جلن اور فراق کی سوزش سے اُن کے آنسو بہ رہے ہیں -
مَیں دیکھتا ہوں کہ دل بے قراری سے گلے تک آگئے ہیں اور مَیں آنسو دیکھتا ہوں جنہیں آنکھیں بہا رہی ہیں -

**شرح** - جب کسی شخص سے انسان کو شدید محبت ہوتی ہے - تو اُس پر اپنے محبوب کی جُدائی سخت گراں گذرتی ہے - بسا اوقات شدت الم فراق سے اس کی آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں - علّامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدہ بردہ کے مطلع میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں لکھا ہے اسی حالت کا اظہار کیا ہے - فرماتے ہیں :-

أَمِنْ تَذَكُّرِ جِيْرَانٍ بِذِيْ سَلَمٍ مَزَجْتَ دَمْعًا جَرٰى مِنْ مُقْلَةٍ بِدَمٍ

کیا ذی سلم مقام کے ہمسایوں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل مدینہ کی یاد میں تُو اسقدر رو رہا ہے کہ تُو نے آنسوؤں کو جو آنکھ سے جاری ہیں خون سے ملا دیا ہے - اس میں کثرتِ گریہ کی طرف اشارہ ہے - کیونکہ جو چیز ملائی جاتی ہے وہ تھوڑی ہوتی ہے - اور جس میں ملائی جاتی ہے وہ زیادہ چنانچہ کہتے ہیں نمک آٹے میں ملا دیا - اسی طرح آنسوؤں کو خون میں ملا دینے سے مراد یہ ہے کہ کثرتِ گریہ کی وجہ سے آنسو باقی نہیں رہے اگر کچھ رہے بھی تو وہ خون سے مل گئے - اور اب تیری آنکھیں جو چیز بہا رہی ہیں وہ خون ہے - اگر آنسوؤں کی اس میں شمولیت ہے تو برائے نام جیسے آٹے میں نمک -

۷- يَا مَنْ غَدَا فِيْ نُوْرِهٖ وَضِيَائِهٖ
كَالنَّيِّرَيْنِ وَنُوْرَ الْمَلَوَانِ

**معانی الالفاظ**
اَلنَّيِّرَيْنِ : سورج اور چاند۔
اَلْمَلَوَانِ ۔ تثنیہ کا صیغہ ہے ۔ اس کا مفرد

مَلَا ہے ۔ رات اور دن۔

**ترجمہ** :- اے وہ جو اپنے نور اور روشنی میں مہر و ماہ کی مانند ہو گیا ہے اور اپنے نور سے رات اور دن کو منوّر کر دیا ہے۔

**شرح** ۔ قرآن مجید کی آیت هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا[۱] ۔ میں سورج کے لئے ضیاء کا لفظ اور چاند کے لئے نور کا لفظ استعمال ہوا ہے ۔ اس شعر میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی کمال کا ذکر ہے ۔ آپ چونکہ عالم روحانی کے سورج ہیں ۔ اس لئے جب کبھی دنیا میں ظلمت چھائیگی تو اس کا تدارک آپ کے ہی نور سے کیا جائیگا ۔ جس طرح نظام ظاہری میں سورج نقطۂ مرکزیہ ہے اسی طرح عالمِ روحانی کے نقطۂ مرکزیۃ آپ ہیں ۔ اس لئے آپ کی دنیا میں عدم موجودگی کی حالت میں روحانی تاریکی آپ کی روشنی سے بعض ایسے وجودوں کے ذریعے دور کی جائیگی جو آپ کے لئے بمنزلہ ماہ و انجم ہونگے۔
اللہ تعالیٰ سورۃ فرقان میں فرماتا ہے :-

[۱] یونس ع ۱



"تَبَارَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَاءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ
فِيْهَا سِرَاجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا[۲]"

وہ خدا بہت برکت والا ہے جس نے آسمان میں بُرج بنائے اور اُس میں سورج اور روشن چاند بنایا۔

پس جیسے ظاہری نظام عالم میں سورج اور چاند کے علاوہ بارہ بُرج پائے جاتے ہیں جنکے نام یہ ہیں ۔ الحمل[۱] ۔ الثور[۲] ۔ الجوز[۳] ۔ السرطان[۴] ۔ الاسد[۵] ۔ السنبلہ[۶] ۔ المیزان[۷] ۔ العقرب[۸] ۔ القوس[۹] ۔ الجدی[۱۰] ۔ الدلو[۱۱] ۔ الحوت[۱۲] ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نظام روحانی میں سورج اور چاند اور بارہ برج بنائے ہیں ۔ قرآن مجید میں سورج سراج سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ جیسا کہ فرمایا :-

"وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا[۳]"

پھر سورۃ النباء میں اس کی صفت وَهَّاجًا بیان فرمائی ہے ۔ یعنی جو ذاتی طور پر بہت روشنی دینے والا ہے ۔ اور اس کی گرمی دُور دُور تک محسوس ہوتی ہے ۔
اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا :-

"وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا[۴]"

کہ آپ سراج منیر ہیں ۔ یعنی ایسے سورج ہیں جو دوسروں کو اپنے نور سے منور کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر امت محمدیہ میں سے کسی ایک شخص کو مبعوث کرتا رہیگا ۔ جو دین اسلام کو تازہ کریگا ۔ اور چودھویں صدی کا مجدد مسیح اور مہدی کہلائیگا ۔ پس پہلی صدی کو چھوڑ کر جس میں آنحضرت صلی اللہ

[۲] الفرقان ع ۶ [۳] نوح ع ۱ [۴] احزاب ع

علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے۔ اور چودھویں صدی کو جس کا مجدد بدر تام اور قمر منیر کی طرح ہوگا باقی بارہ صدیوں میں بارہ مجدد آئیں گے جو بارہ برجوں کی طرح ہونگے اور جس طرح ظاہری چاند سورج کی روشنی سے منور ہوتا ہے۔ اسی طرح مجدّدین امت محمدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نور حاصل کریں گے۔ گویا اُن کا نور اپنا ذاتی نور نہیں ہوگا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مکتسب ہوگا اور ہر ایک اُن میں سے مجدد صدی چہاردہم کی طرح یہی کہیگا ؎

این آتشم ز آتش مہر محمدیست     واین آب من ز آب زلال محمد است

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اقرار کریگا کہ

"وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اس کے کے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ انسان نہیں ہے بلکہ ذریت شیطان ہے۔ کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اس کو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اس کو عطا کیا گیا ہے۔ جو اس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے ..... اُس آفتاب کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور ہم اُسی وقت تک منور رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں۔"[1]

پس درحقیقت روحانی لحاظ سے رات ہو یا دن وہ آپ ہی کے نور سے منور ہیں۔

[1] حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۱۶



یَا بَدْرَنَا یَا اٰیَۃَ الرَّحْمٰنِ
۸- اَھْدَی الْھُدَاۃِ وَاَشْجَعُ الشُّجْعَانِ
اِنِّیْ اَرٰی فِیْ وَجْھِکَ الْمُتَھَلِّلِ
۹- شَانًا یَّفُوْقُ شَمَائِلَ الْاِنْسَانِ

**معانی الالفاظ** اَھْدٰی و اَشْجَع - اسم تفضیل کے صیغے ہیں یعنی سب سے بڑا ہادی اور سب سے بڑا بہادر۔

مُتَھَلِّلٌ - تَھَلَّلَ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ تَھَلَّلَ الْوَجْهُ اَوِ السَّحَابُ - کے معنے ہیں چہرہ یا بادل چمک اُٹھا۔ تَھَلَّلَ فُلَانٌ کے معنے ہیں تَلَأْلَأَ وَجْهُهُ مِنَ السُّرُوْرِ کہ اس کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا۔

شمائل :- شِمِیْلَۃ کی جمع ہے جس کے معنے طبیعت اور خصلت کے ہیں۔

**ترجمہ ش** - اے ہمارے چودھویں کے چاند اور اے رحمٰن خدا کے نشان! اے سب ہادیوں سے بڑے ہادی اور سب بہادروں سے بڑے بہادر!

۹ میں تیرے مسرور اور فرحاں و درخشاں چہرے میں ایک ایسی شان دیکھتا ہوں جو انسانی شمائل سے بڑھ کر ہے۔

**شرح** . آپ کو بدر اس لحاظ سے بھی کہا گیا ہے کہ انسانی نسل کی ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ نے آپکو وہ اعلیٰ درجہ کا نور عطا کیا جو کسی اور مخلوق کو عطا نہ ہوا وہ کامل نور نہ فرشتوں میں تھا نہ ستاروں میں۔ نہ قمر میں تھا نہ آفتاب میں۔ وہ

نہ لعل ویاقوت اور زمرد میں تھا نہ الماس اور موتی میں۔ الغرض وہ کسی چیز میں بھی نہ تھا۔ ارضی ہو یا سماوی۔ اور آپ کا نور اللہ تعالےٰ کے نور سے مکتسب تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ آپ کے لئے بمنزلہ شمس اور آپ بمنزلہ بدر تھے۔

پھر آپ آیۃ الرحمٰن تھے، اس لئے آپ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمٰن کا کامل مظہر تھے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رحمانیت کے مطابق عالم ظاہری میں سورج چاند، پانی ہوا اور دیگر اشیاء جن پر انسان کی زندگی موقوف ہے انسان کیلئے پیدا کیں۔ اسی طرح اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی صفت کے مطابق قرآن مجید نازل کیا جس پر انسان کی روحانی زندگی موقوف ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیغام رحمانی کو اپنے جذبۂ فطری کے مطابق لوگوں تک پہنچایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ [۵]"

اے رسول! تو ان سے کہہ دے کہ اس ہدایت کے کام پر مَیں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ مَیں تکلّف اور تصنع سے یہ کام کرتا ہوں۔ پس آپ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمٰن کے ایک نشان تھے۔

آپ اَلْهَادِیْ الْهُدَاۃ اس لئے تھے کہ دنیا میں جسقدر ہادی آئے ہیں اُن سب میں اوّل درجہ انبیاء علیہم السلام کے گروہ کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل وقتاً فوقتاً جسقدر انبیاء آئے وہ خاص قوم یا خاص ملک

[۵] سورۃ ص ع ۵



کے لئے ہی آتے رہے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام اقوام اور تمام ممالک کے لئے مبعوث ہوئے۔ اس لئے آپ کے سوا کوئی بھی یہ نہ کہہ سکا کہ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ کیونکہ اس اعلان کا مطلب دنیا کی تمام اقوام اور تمام مذاہب کو چیلنج کرنا تھا۔ اور انہیں وہ کامل اور زبردست قوت نہیں دی گئی تھی جو تمام دنیا کی اصلاح کے لئے ضروری تھی۔ یہ منصب شان و شوکت اور یہ مقامِ عظمت و جلال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو نہ ملا اور جو کامیابی آپ کو حاصل ہوئی وہ کسی کو بھی حاصل نہ ہوئی۔ سیّدنا حضرت احمد علیہ السلام اپنے محبوب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ بعثت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"وہ ایک خارستان تھا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم رکھا اور ظلمت کی انتہا ہو چکی تھی۔ میرا مذہب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الگ کیا جاتا اور کل نبی جو اُس وقت تک گذر چکے تھے سب کے سب اکٹھے ہو کر وہ کام اور وہ اصلاح کرنا چاہتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی وہ ہرگز نہ کر سکتے۔ ان میں وہ دل اور وہ قوت نہ تھی جو ہمارے نبی کو ملی تھی۔ اگر کوئی کہے کہ یہ نبیوں کی معاذ اللہ سوءِ ادبی ہے تو وہ نادان مجھ پر افترا کرے گا۔ مَیں نبیوں کی عزت و حرمت کرنا اپنے ایمان کا جزو سمجھتا ہوں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت

کل انبیاء پر میرے ایمان کا جزو اعظم اور میرے رگ و ریشہ
میں ملی ہوئی بات ہے - یہ میرے اختیار میں نہیں کہ اسکو نکال
دوں. بدنصیب اور آنکھ نہ رکھنے والا مخالف جو چاہے سو کہے
ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام کیا ہے جو نہ الگ
الگ اور نہ مل جل کر کسی سے ہو سکتا ہے - اور یہ اللہ تعالیٰ کا
فضل ہے۔ ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء -"

اشجع الشجعان - آپ کی بعد از بعثت ۲۳ سالہ زندگی کی
ایک ایک ساعت اور ایک ایک لمحہ آپ کی بے نظیر شجاعت کی دلیل
ہے - مَیں یہاں آپ کی شجاعت کا ایک واقعہ ذکر کرتا ہوں. غزوۂ حنین
میں ایک ایسا وقت آیا جبکہ اسلامی لشکر جو بارہ ہزار سپاہیوں پر مشتمل
تھا بے تحاشا میدان جنگ سے بھاگ پڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ صرف بارہ آدمی میدان جنگ میں رہ گئے اور دشمن بے تحاشا تیر برسا رہا
تھا - اس اثناء میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنی سواری سے اُتر کر آپ کی خچر کی
باگ پکڑ لی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ تھوڑی دیر کے لئے آپ پیچھے ہٹ
جائیں یہاں تک کہ اسلامی لشکر جمع ہو جائے - آپ نے فرمایا - ابوبکرؓ میری
خچر کی باگ چھوڑ دو - اور خچر کو ایڑی لگاتے ہوئے اس تنگ راستہ میں آگے
بڑھنا شروع کیا جس کے دائیں بائیں کمین گاہوں میں بیٹھے ہوئے دشمن کے
تیر انداز تیر برسا رہے تھے - اس دہشت خیز اور ہولناک حالت میں آپ
فرما رہے تھے ؎



اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ     اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

مَیں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے - مَیں عبدالمطلب کا پوتا ہوں -
ایسے وقت میں کہ دشمن کا پلہ بھاری ہو اور اسکی فتح کا منظر سامنے
تو بڑے سے بڑے بہادروں کے بھی اوسان خطا اور پتہ پانی ہو جاتا ہے
اس کے لئے موت ہی خطرناک نہیں ہوتی بلکہ زندگی موت سے بھی زیادہ
خطرناک ہو جاتی ہے - وہ یہی چاہتا ہے کہ دشمن کے ہاتھ نہ آئے اور
کسی طرح میدان سے سلامت نکل جائے - وہ دشمن کے ہاتھ آجانے
کو موت سے بڑھکر مصیبت خیز جانتا ہے - دوسری عالمگیر جنگ میں
جب روسی فوجیں برلین میں داخل ہو گئیں تو ہٹلر نے خودکشی کر لی تھی؛
اور علی محمد باب کو جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونے
کا دعویٰ کیا تھا جب یہ معلوم ہوا کہ وہ قتل کیا جائیگا تو اس نے اپنے
دوستوں سے کہا کہ کل یہ لوگ مجھے نہایت بے عزتی سے قتل کریں گے
اس لئے تم میں سے کوئی شخص مجھے قتل کر دے کیونکہ میں بہ نسبت دشمنوں
کے ہاتھ سے قتل ہونے کے دوستوں کے ہاتھ سے قتل ہونے کو پسند کرتا ہوں -
لیکن برخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہی
نہیں کہ میدان سے ہٹنا گوارا نہیں فرمایا اور آگے سے آگے ہی بڑھتے
رہے بلکہ رجز خوانی بھی فرماتے جاتے تھے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا
آپ دشمنوں پر یہ واضح فرما دینا چاہتے تھے کہ یہ خیال نہ کرنا کہ مسلمانوں
کے لشکر کا پیچھے ہٹ جانا میرے دعوئ نبوت کے صحیح نہ ہونے کی دلیل ہے

میں یقیناً نبی ہوں اور ضرور کامیاب ہونگا - اور اسلامی لشکر کا پیچھے ہٹ جانا ایک عارضی امر ہے - آخر غلبہ اُسی کو حاصل ہو گا اور میرا دشمن کے اتنے بڑے لشکر میں تن تنہا اقدام انسانی شجاعت سے خواہ کتنا ہی بالا تر نظر آئے اور پھر اس ہولناک ہنگامہ میں میرا ہر قسم کے ضرر و گزند سے محفوظ رہنا کتنا ہی مافوق العادت سمجھا جائے لیکن اس کے یہ معنے ہرگز نہیں کہ الوہیت مجھ میں سرائت کر گئی ہے یا کوئی حصہ الوہیت مجھ میں آگیا ہے - مَیں ایک انسان اور عبد المطلب کا پوتا ہوں -

تاریخ میں صحابہ رضوان اللہ عنہم کا اقرار موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے زیادہ بہادر تھے - پس مذکورہ بالا دو شعروں میں آپ کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ حقائق تاریخیہ ہیں -

۱۰- وَقَدِ اقْتَفَاكَ أُولُوا النُّهٰى وَبِصِدْقِهِمْ
وَدَعُوْا تَذَكُّرَ مَعْهَدِ الْأَوْطَانِ

**معانی الالفاظ** اقتفاہ : اتبعہ - اس کی پیروی کی - اقتفی الشیٔ اختارہٗ - اُسے چُن لیا اور پسند کیا -

معھد - وہ مقام جس میں کوئی ایسی چیز ہو جسکا خیال رکھا جاتا ہے یا وہ جگہ جہاں لوگ آتے جاتے ہیں - اس کی جمع مَعَاھِد ہے - مُراد یادگاہیں زیارت گاہیں اور گھر وغیرہ -



**ترجمہ** - دانشمندوں نے پیروی کے لئے تجھے منتخب کر لیا - اور اپنے صدق کی وجہ سے انہوں نے اپنے وطنوں کی یادگاروں کی یاد بھی ترک کر دی -

**شرح** - حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے - "درخت اپنے پھل ہی سے پہچانا جاتا ہے" (متی ۷ باب ۱۶) اس لئے مصنف قصیدہ اپنے محبوب کے ذاتی اوصاف و کمالات کا ذکر کر کے آپ کی صداقت اور آپ کی عظمت اور جلالت شان رسالت کی دلیل کے طور پر اس شعر سے لے کر انیسویں شعر تک آپکی جماعت کے اعلیٰ درجہ کے نمونے کو پیش کرتے ہیں -

مِیور جیسے متعصب دشمنِ اسلام نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے دانا، زیرک اور معزز تھے - اسی طرح بعض اور صحابہ بھی اپنے خاندان اور شہر میں صاحب الرائے اور معزز سمجھے جاتے تھے -

پھر صحابہؓ نے جس رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی پہلے انبیاء کی جماعتوں میں اس کی نظیر تلاش کرنا بے سود ہے - بنی اسرائیل کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ فرعون کے پنجۂ استبداد سے نجات بخشی تھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بموجب وعدۂ الٰہی ارضِ مقدسہ میں داخل ہو جانے کا حکم دیا تو انہوں نے تعمیل حکم نہیں کی بلکہ گستاخانہ رویہ اختیار کر کے کہہ دیا کہ تم اور تمہارا خدا جائیں اور دشمن سے جنگ کریں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں - لیکن جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے موقع پر انصار سے جنہوں نے مدینہ کے اندر رہ کر مہاجرین کی حفاظت کا معاہدہ کیا تھا مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کے متعلق دریافت فرمایا

تو انہوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! ہم موسیٰؑ کے ساتھیوں کی طرح آپ سے
یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور آپ کا ربّ جا کر دشمن سے جنگ کریں ہم تو
یہیں بیٹھے ہیں بلکہ ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی، آگے بھی
لڑیں گے اور پیچھے بھی اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکیگا جب تک کہ وہ
ہماری لاشوں پر سے گذرتا ہؤا نہ جائے - یا رسول اللہ اگر آپ ہمیں حکم
دیں کہ سمندر میں اپنے گھوڑے ڈالدو تو ہم بلا دریغ سمندر میں اپنے گھوڑے
ڈال دیں گے - (ابن ہشام)

صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی پیروی عاشقانہ رنگ میں کی ہے اور آپ کے
ہر حکم کی تعمیل اپنے لئے سعادت دارین سمجھی ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
ایک دفعہ مسجد نبوی میں وعظ فرما رہے تھے اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ جو
قبیلہ خزرج کے مشہور شاعر اور اوّل درجہ کے مخلصین میں سے تھے مسجد کے
پاس سے ایک گلی میں گذر رہے تھے کہ مسجد کے اندر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی آواز آئی - بیٹھ جاؤ - یہ وہیں بیٹھ گئے اور بیٹھے رہے حتّٰی کہ آپ نے
خطبہ ختم فرمالیا -

ممکن ہے آجکل کا خدا فراموش اور مادہ پرست انسان ان کے اس فعل کو
قابلِ اعتراض ٹھہرائے کیونکہ اس کے دل میں وہ ایمان اور وہ اخلاص نہیں
جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے دلوں میں تھا حضرت عبداللہ بن
رواحہؓ کے اس فعل کے پیچھے یہ جذبہ کارفرما تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے حکم کی آواز میرے کان میں پہنچ گئی تو میرا فرض ہے کہ فی الفور اسکی تعمیل کروں



ایسا نہ ہو کہ اس حکم کی تعمیل سے قاصر رہنے والوں میں شمار کیا جاؤں -

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپ کی پیروی میں صحابہؓ
نے نہایت صدق و ثبات اور کامل محبت و اخلاص کا مظاہرہ کیا ہے - انہوں
نے اپنے مولد، وطن اور مسکن کو آپ کی خاطر ایسا چھوڑا کہ ان کی یاد تک بھلا
دی - جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا اور عرب کے ریگستانوں اور میدانوں، پہاڑوں اور
ان کی چوٹیوں اور ان کے دروں اور وادیوں اور دیہاتوں اور شہروں میں
اللہ اکبر کی صدا گونجنے لگی تو بھی مہاجرین نے آپ کے ہمراہ مدینہ میں ہی اپنی
سکونت ضروری سمجھی -

یہ شعر میری طبیعت میں بھی ایک زبردست انقلاب کا باعث ہؤا - ہم
مدرسہ احمدیہ میں تعلیم پاتے تھے - جب جمعہ کی تعطیل ہوتی تو ہم فوراً اپنے گاؤں
سیکھواں میں چلے جاتے تھے جو قادیان سے جانب مغرب تین کوس کے فاصلہ
پر واقع ہے - ایک دفعہ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری جو اسوقت مدرسہ احمدیہ کے
ہیڈ ماسٹر تھے ہمارے گاؤں گئے اور والد صاحب مرحوم و مغفور سے کہا کہ دوسرے
لوگ تو جمعہ پڑھنے کیلئے قادیان جاتے ہیں لیکن یہ اپنے گاؤں میں آجاتے ہیں -
ایسا کرنا ٹھیک نہیں - مگر ہم طالبعلموں کو اپنے گاؤں سے جو ہمارا مولد و مسکن تھا
شدید محبت تھی اس لئے شیخ صاحب کی نصیحت کا ہم طالبعلموں پر کوئی اثر
نہ ہؤا - لیکن ۱۹۱۷ء یا ۱۹۱۸ء کا واقعہ ہے کہ میں حضرت حافظ روشن علی رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک جلسہ پر لاہور گیا - اسوقت لاہور میں حضرت میاں چراغ دین
صاحب مرحوم کے مکان واقعہ بیرون دہلی دروازہ میں نماز ہؤا کرتی تھی - ایک دن

نمازِ مغرب کے بعد حضرت حافظ صاحبؒ مرحوم و مغفور نے اس قصیدہ کے ابتدائی چند اشعار خوش الحانی سے سُنائے۔ جب اس شعر پر پہنچے تو اس شعر کو سُنکر میرے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اپنے گاؤں کی محبت بالکل کافور ہو گئی۔ اس کے بعد شاذ و نادر ہی گاؤں جایا کرتا اور پھر اس کا بھی خاتمہ ہو گیا اور بالآخر میرے والد مرحوم نے بھی گاؤں چھوڑ کر قادیان ہی میں سکونت اختیار کر لی۔

۱۱۔ قَدْ اٰثَرُوْكَ وَ فَارَقُوْا اَحْبَابَهُمْ
وَ تَبَاعَدُوْا مِنْ حَلْقَةِ الْاِخْوَانِ

**معانی الالفاظ** اٰثَرَهٗ : اکرمہ۔ اختارہ۔ فضلہ یعنی اسکی عزت کی۔ اُسے دوسروں سے چُن لیا اور ان پر فضیلت دی۔

حلقۃ الاخوان: بھائی بندوں کا دائرہ۔

**ترجمہ**۔ انہوں نے تجھے اختیار کیا اور دوسروں پر ترجیح دی اور اپنے پیاروں سے جُدا اور اپنے بھائیوں کے دائرہ سے دُور ہو گئے۔

**شرح**۔ تاریخ شاہد ہے کہ آپ پر ایمان لانیوالوں نے اپنا وطن، اپنا گھر بار اور اپنے رشتہ دار آپ کی خاطر چھوڑ دیے۔ اور آپ کو ہر رنگ اور ہر حال میں دوسروں پر مقدم کیا۔ یہانتک کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کے حق میں یہ شہادت دی۔ کہ

" لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ الآیۃ[1] "

[1] المجادلہ ع ۳



کہ تو ان لوگوں کو جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ایسا نہیں پائیگا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مخالفوں سے محبت رکھیں خواہ وہ ان کے باپ دادا ہوں یا بیٹے پوتے یا ان کے بھائی بند ہوں یا ان کا کُنبہ اور خاندان۔

اِس کے ثبوت میں دو تاریخی واقعات کا ذکر کرتا ہوں :۔

(۱) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰنؓ جو غزوۂ اُحد تک ایمان نہیں لائے تھے مسلمان ہونے کے بعد ایک دن آپ سے کہنے لگے کہ آپ ایک مرتبہ جنگ میں میری زد میں تھے لیکن اس خیال سے کہ آپ میرے باپ ہیں مَیں نے آپ پر وار نہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فی الفور جواب دیا کہ بخدا اگر تم میری زد میں آجاتے تو مَیں ضرور تم کو قتل کر دیتا اور کچھ لحاظ نہ کرتا کیونکہ تم اسوقت خدا کے رسول سے جنگ کرنے کیلئے آئے تھے۔

(۲) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنی والدہ سے بہت حسن سلوک کرتے تھے۔ آپ کے مسلمان ہو جانے پر اُس نے سخت مخالفت کی اور جب دیکھا کہ میری کوئی نصیحت کارگر نہیں اور سعد کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں آتی تو اُس نے کھانا چھوڑ دیا اور کہا کہ مَیں اسوقت تک کھانا نہ کھاؤں گی جب تک کہ تم اسلام کو ترک نہ کر دو۔ اور ایسا نہ ہوا تو مَیں اس حالت میں مر جاؤں گی اور لوگ تمہیں اپنی ماں کا قاتل کہیں گے۔ آپ نے ہر چند کوشش کی کہ وہ کھانا کھالے مگر اُس نے نہ کھایا۔ تب آپ نے تیسرے دن اس سے کہا کہ وَاللّٰهِ لَوْ كَانَتْ لَكِ مِائَةُ نَفْسٍ فَخَرَجَتْ نَفْسًا نَفْسًا مَا تَرَكْتُ دِيْنِيْ هٰذَا لِشَيْءٍ۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اگر تیری ایک جان کی جگہ

سو جانیں ہوں اور ایک ایک جان کر کے نکل جائیں تو بھی میں اپنے دین کو کسی چیز کی خاطر نہیں چھوڑونگا - اب تو کھانا کھا یا نہ کھا - جب اُس نے اپنے بیٹے کا یہ عزم دیکھا تو اُس نے کھانا شروع کر دیا -

تاریخ کے صفحات ایسے واقعات سے پُر ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہؓ کی بے پایاں محبت اور انتہائی اخلاص کا ثبوت ملتا ہے - ؎

دامانِ نگہ تنگ و گُلِ حُسن تو بسیار

۱۲ - قَدْ وَدَّعُوْا اَهْوَاءَهُمْ وَنُفُوْسَهُمْ
وَتَبَرَّءُوْا مِنْ كُلِّ نَشَبٍ فَانٍ

**معانی الالفاظ** اھواء - ھوٰی کی جمع ہے - ایسی چیز کی خواہش جس سے لذّت حاصل ہو - اس کا غالب استعمال مذموم خواہشات کے لئے ہوتا ہے -

نفوس - نفس کی جمع ہے اور نفس الشیءٍ کے معنے عَیْنُہٗ اس چیز کی ذات کے بھی ہیں -

نَشَب - ہر قسم کا مال نقد ہو یا ازقبیلِ جائیداد -

**ترجمہ** - انہوں نے اپنی خواہشات اور اپنے نفسوں کو الوداع کہہ دیا - اور ہر قسم کے فانی مال اور جائیدادوں سے بیزار ہو گئے -

**شرح** - اسلام اختیار کر کے انہوں نے اپنی نفسانی خواہشات



ہی کو نہیں بلکہ اپنے آپ کو بھی خیرباد کہہ دیا - یعنی ان کا اپنا نہ کوئی ارادہ باقی رہا اور نہ کوئی خواہش - اور حقیقی مسلمان انسان اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی دے کر اور اپنے وجود کو اس کے لئے وقف کر کے اور اس کی رضا میں محو ہو کر ایسے صدق اور اخلاص سے اس کی طرف جُھک جائے کہ اُس محبوبِ حقیقی کے سوا کوئی اُس کا نہ رہے - اور اس کی نفسانی زندگی اور نفسانی جذبات پر موت وارد ہو جائے - اور اس کے وجود کے تمام پُرزے اور نفس کی تمام قوتیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگ جائیں اور اُس کی ہر حرکت اور سکون اور اس کی زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے ؎

اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا
ترکِ رضائے خویش پئے مرضیٔ خدا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

" اسلام چیز کیا ہے ؟ وہی جلتی ہوئی آگ جو ہماری سفلی زندگی کو بھسم کر کے اور ہمارے باطل معبودوں کو جلا کر سچے اور پاک معبود کے آگے ہماری جان اور ہمارے مال اور ہماری آبرو کی قربانی پیش کرتی ہے ایسے چشمہ میں داخل ہو کر ہم ایک نئی زندگی کا پانی پیتے ہیں اور ہماری تمام روحانی قوتیں خدا سے یوں پیوند پکڑتی ہیں جیسا کہ

ایک رشتہ دوسرے رشتہ سے پیوند کیا جاتا ہے۔ بجلی کی
آگ کی طرح ایک آگ ہمارے اندر سے نکلتی ہے۔ اور ایک
آگ اوپر سے ہم پر اُترتی ہے۔ ان دونوں شعلوں کے ملنے سے
ہماری تمام ہوا وہوس اور غیر اللہ کی محبت بھسم ہو جاتی ہے
اور ہم اپنی پہلی زندگی سے مر جاتے ہیں۔ اس حالت کا نام
قرآن شریف کی رُو سے اسلام ہے۔ اسلام سے ہمارے
نفسانی جذبات کو موت آتی ہے اور پھر دُعا سے ہم از سرِ نو
زندہ ہو جاتے ہیں۔" (اسلامی اصول کی فلاسفی)

غرض صحابہؓ نے اسلام کی خاطر اپنے مالوں اور جائیدادوں کی کوئی
پرواہ نہ کی۔ اور جب ہجرت کیلئے حکم ملا تو اپنے تمام رشتہ داروں اور
مادی مفاد سے بے پرواہ ہو کر اپنے وطن چھوڑ دیئے۔ حضرت صہیب
رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مالدار تاجر تھے۔ اور مکہ مکرمہ کے باحیثیت آدمیوں
میں سے سمجھے جاتے تھے۔ مگر باوجود اس کے کہ وہ مالدار بھی تھے۔ اور
آزاد بھی ہو چکے تھے قریش ان کو مار مار کر بیہوش کر دیتے تھے۔ جب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف ہجرت فرما گئے تو حضرت
صہیبؓ نے بھی چاہا کہ ہجرت کر کے مدینہ کو چلے جائیں۔ مگر اہل مکہ نے
ان کو روکا اور کہا کہ جو دولت تم نے مکہ میں کمائی ہے تم اُسے مکہ سے
باہر نہیں لے جا سکتے۔ ہم تمہیں مکہ سے نہیں جانے دیں گے۔ صہیبؓ نے
کہا۔ اگر میں یہ سب دولت چھوڑ دوں تو کیا پھر تم مجھے جانے دو گے؟



وہ اس بات پر رضامند ہو گئے اور آپ اپنی ساری دولت مکہ والوں کے
سپرد کر کے خالی ہاتھ مدینہ چلے گئے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ صہیب: تمہارا یہ سودا سب
پہلے سودوں سے نفع مند ہوا۔ یعنی پہلے اسباب کے مقابلہ میں تم روپیہ
حاصل کیا کرتے تھے۔ مگر اب روپیہ کے مقابلہ میں تم نے ایمان حاصل کیا
ہے۔ (نبیوں کا سردار)

۱۳۔ ظَهَرَتْ عَلَيْهِمْ بَيِّنَاتُ رَسُوْلِهِمْ
فَتَمَزَّقَ الْاَهْوَاءُ كَالْاَوْثَانِ

**معانی الالفاظ** الاوثان - وَثَنٌ کی جمع ہے۔ بُت۔ اَلْوَثَنِيُّ
بُت پرست۔

بَيِّنَات - بَيِّنَةٌ کی جمع ہے۔ روشن دلیل اور حجت۔

**ترجمہ** - رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے واضح دلائل
اُن پر ظاہر ہوئے تو ان کی خواہشات بتوں کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں۔

**شرح** - قبولیت حق کے راستہ میں سب سے بڑی روک انسان
کی مقام انسانیت سے گرانے والی خواہشیں اور ارادے ہوتے ہیں اور
وہ اُن کی ایسی ہی پرستش کرتا ہے جیسے بُت پرست بتوں کی۔ اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے:۔

" اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ

أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا۔ أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ أَوْ يَعْقِلُوْنَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيْلًا۔" (الفرقان)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کرکے جو اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں فرماتا ہے کہ ان میں سے اکثر انسانی امتیاز کھو بیٹھے ہیں۔ نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں وہ تو محض چار پایوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی بدتر۔

اس شعر میں نفسانی خواہشات کے مٹانے کو بتوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جو نہایت نادر و نفیس تشبیہ ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے اور فرمایا ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ۔ ہم نے انسانوں کو بہت معزز اور مکرّم بنایا ہے اور اُسے عظیم الشان طاقتیں عطا کی ہیں۔ آسمانوں اور زمینوں۔ سورج چاند اور ستاروں۔ نہروں دریاؤں اور سمندروں۔ ٹیلوں اور سربفلک پہاڑوں کو اس کے لئے مسخّر کر دیا ہے۔ اور جو چیزیں بھی آسمان و زمین میں پائی جاتی ہیں وہ سب کی سب انسان کے فائدے کیلئے پیدا کی گئی ہیں۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کا محکوم ہے اور باقی سب کائنات اس کی محکوم ہے۔ جیسا کہ کارگاہِ عالَم پر کسی گہری نظر رکھنے والے نے انسان کو مخاطب کرکے کہا ہے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند ؛ تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نہ خوری



ایں ہمہ بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار ؛ شرطِ انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

مگر اس پر بھی حالت یہ ہے کہ انسانوں ہی کا ایک حصّہ اپنے ہاتھوں طرح طرح سے انسانیت کی مٹی پلید کرتا چلا آیا ہے۔ کوئی پتھروں کے آگے ماتھا ٹیکتا ہے۔ کوئی سورج کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہے۔ کوئی سورج یا کسی اور چیز کو حاجت روا سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شرک کرنے والوں کی مثال ایک ایسے شخص سے دی ہے جو آسمان سے زمین پر گر پڑے۔ کیونکہ شرک کرنے والا مخدوم ہو کر خود خادم بننا چاہتا ہے اور بلندی کو چھوڑ کر پستی کو اختیار کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی فتح مکّہ بھی ایک واضح دلیل ہے۔ جب حضور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ فاتحانہ شان سے اس میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے تین سو ساٹھ (۳۶۰) بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے انسان کے قعرِ ذلّت سے نکل کر اوجِ عزّت تک جو اس کا اصل مقام ہے پہنچنے کا راستہ کھول دیا۔ اللّٰھم صلّ علیٰ سیّدنا محمد و علیٰ اٰل سیّدنا محمد و بارک وسلم۔

جس طرح حضور کا بتوں کو توڑنا نسلِ انسانی کی رفعتِ شان کا موجب ہوا۔ اسی طرح نفسانی خواہشات کو مٹانا اس کی روحانی ترقیات اور تعلق باللہ کے رشتہ کی مضبوطی کا باعث۔

---

۱۴- فِيْ وَقْتِ تَرْوِيْقِ اللَّيَالِيْ نُوِّرُوْا
وَ اللّٰهُ نَجَّاهُمْ مِنَ الطُّوْفَانِ

معانی الالفاظ ترویق - روّق اللّیلُ: مدّ رواق ظلمتہ۔ کہ رات نے اپنی تاریکی کا پردہ لمبا کیا۔

ترجمہ - وہ راتوں کی تاریکی کے وقت منوّر ہوئے۔ اور اللہ تعالےٰ نے انہیں طوفان (ظلمت وضلالت) سے نجات دی۔

شرح - اس شعر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بعثت کی ظلمت و تاریکی کی شدّت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ حقیقت موافق و مخالف دونو کو مسلّم ہے کہ آپ کے زمانے میں ایک عالمگیر تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ (دیکھو شرح شعر

۱۵ قَدْ هَاضَهُمْ ظُلْمُ الْاُنَاسِ وَضَيْمُهُمْ
فَتَثَبَّتُوْا بِعِنَايَةِ الْمَنَّانِ

معانی الالفاظ هَاضَهٗ: كَسَرَهٗ وَ فَتَّتَهٗ - اس کو ٹکڑے ٹکڑے اور چور چور کر دیا۔

ضَيْمٌ - ظلم - اس کی جمع ضُيُوْم ہے۔

عنایۃ - حفاظت۔ کہتے ہیں عَنَى اللّٰهُ بِهٖ عِنَايَةً اى حَفِظَهٗ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی۔

ترجمہ - مخالف جماعتوں کے ظلم وستم نے ان کو چور چور کر دیا۔ مگر وہ



خدائے منّان کی حفاظت سے ثابت قدم رہے۔

شرح - اوائل میں اسلام کے حلقہ بگوش ہونے والوں پر جسقدر ظلم وستم ہوئے اُن کی نظیر پہلی قوموں میں شاذ و نادر ہی پائی جاتی ہے۔ پرکاش دیو جی جو براہمو سماج لاہور کے پرچارک تھے اپنی کتاب سوانح عمری حضرت محمد صاحب میں لکھتے ہیں:-

"ان غریب مومنوں پر ظلم وستم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ لوگ ان غریبوں کو پکڑ کر جنگل میں لے جاتے اور برہنہ کر کے جلتی تپتی ریت پر لٹا دیتے اور ان کی چھاتیوں پر پتھر کی سلیں رکھ دیتے۔ وہ گرمی کی آگ سے تڑپتے۔ مارے بوجھ کے زبان باہر نکل پڑتی۔ بہتیروں کی جانیں اس عذاب سے نکل گئیں۔ انہیں مظلوموں میں سے ایک شخص عمّار تھا جسے اس حوصلہ و صبر کی وجہ سے جو اُس نے ظلموں کی برداشت میں ظاہر کیا حضرت عمّار کہنا چاہیئے۔ اُن کی مشکیں باندھ کر اُسے پتھریلی زمین پر لٹاتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ محمد کو گالیاں دو۔ اور یہی حال اُنکے بڈھے باپ کا کیا گیا۔ اُن کی مظلوم بی بی سے جس کا نام سمیّہ تھا یہ ظلم نہ دیکھا گیا۔ اور وہ عاجزانہ فریاد زبان پر لائی۔ اسپر وہ بیگناہ ایماندار عورت جس کی آنکھوں کے روبرو اس کے شوہر اور جوان بچے پر ظلم کیا جاتا تھا برہنہ کی گئی اور اُسے سخت بے حیائی سے ایسی تکلیف دی گئی جس کا بیان کرنا بھی داخل شرم ہے۔ آخر اس عذاب شدید میں تڑپ تڑپ کر اس ایماندار بی بی کی جان نکل گئی۔"

ایمان لانے والوں پر تیرہ برس کی مدت تک ایک باقاعدہ سکیم کے ماتحت دردناک مظالم کئے گئے اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"نہایت بے رحمی کی طرز سے خدا کے وفادار بندے اور نوع انسان کے فخر ان شریر درندوں کی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور یتیم بچے اور عاجز اور مسکین عورتیں کوچوں اور گلیوں میں ذبح کئے گئے۔ اس پر بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے قطعی طور پر یہ تاکید تھی کہ شر کا ہرگز مقابلہ نہ کرو (فاعفوا واصفحوا حتّٰی یأتی اللّٰہ بامرہ) ان برگزیدہ راستبازوں نے ایسا ہی کیا۔ ان کے خونوں سے کوچے سرخ ہوگئے پر انہوں نے دم نہ مارا وہ قربانیوں کی طرح ذبح کئے گئے پر انہوں نے آہ نہ کی۔ خدا کے پاک اور مقدس رسول کو جس پر زمین اور آسمان سے بے شمار سلام ہوتے ہیں بار با پتھر مار مار کر خون سے آلودہ کیا مگر اس صدق اور استقامت کے پہاڑ نے ان تمام تکالیف کو دلی انشراح اور محبت سے برداشت کیا اور ان صابرانہ اور عاجزانہ روشوں سے مخالفوں کی شوخی دن بدن بڑھتی گئی اور انہوں نے اس مقدس جماعت کو اپنا شکار سمجھ لیا۔ تب اس خدا نے جو نہیں چاہتا کہ زمین پر ظلم اور بے رحمی حد سے گذر جائے اپنے مظلوم بندوں کو یاد کیا اور اس کا غضب شریروں پر بھڑکا اور اُس نے اپنی پاک کلام قرآن شریف کے ذریعے اپنے مظلوم بندوں کو اطلاع دی۔



کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے، مَیں سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ مَیں تمہیں آج سے مقابلہ کی اجازت دیتا ہوں، اور مَیں خدائے قادر ہوں، ظالموں کو بے سزا نہیں چھوڑوں گا۔ یہ حکم تھا جس کا دوسرے لفظوں میں جہاد نام رکھا گیا۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اُن کے مظلوم ہونے کی شہادت دی۔ فرمایا:

"اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ. اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ۔" (الحج ع ۶)

اللہ تعالیٰ ان مومنوں کو جنہیں قتل کرنے کے لئے کافر چڑھ چڑھ کر آتے ہیں حکم دیتا ہے کہ وہ کافروں کا مقابلہ کریں۔ کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے وطن سے صرف اس لئے نکال دیئے گئے کہ انہوں نے یہ کہا کہ ہمارا ربّ اللہ ہے۔

اللہ اللہ! ان پر کتنے ظلم کئے گئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بھی مظلوم ٹھہرے اور مخلوق کی نظر میں بھی۔ اس لئے ان کا ثابت قدم رہنا اللہ تعالیٰ کی عنایت خاص کا نتیجہ تھا۔

نَهَبَ اللِّئَامُ نُشُوْبَهُمْ وَعَقَارَهُمْ

فَتَهَلَّلُوْا بِجَوَاهِرِ الْفُرْقَانِ

**معانی الالفاظ** العقار - اثاث البیت اور غیر منقولہ جائیداد وزمین گھر وغیرہ -

نُشُوب - نَشَبٌ کی جمع ہے - اس کے اور تَهَلَّلَ کے معنے کے لئے دیکھو شعر ۹ و ۱۲ -

**ترجمہ** - ذلیل وکمینہ اوباشوں نے اُن کے مال اور ان کی جائیدادیں لُوٹ لیں - پھر قرآن کے قیمتی موتی پا کر اُن کے چہرے خوشی سے چمک اُٹھے -

**شرح** - مخالفین اسلام نے ان کی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد چھین لی لیکن قرآن مجید کے انمول موتی حاصل کر کے وہ بہت خوش ہوئے کیونکہ وہ ایک بے نظیر جائیداد تھی جو غیر فانی تھی - نہ اُسے اُن سے کوئی چھین سکتا تھا نہ کوئی قزاق لُوٹ سکتا تھا اور نہ کوئی چور چُرا سکتا تھا - وہ اس بیش بہا خزانہ کو لے کر جس ملک میں گئے اور جس قوم کے پاس پہنچے - اُن کی بے حد عزت وتکریم کی گئی - اور اسی دُنیا میں انہوں نے اپنے خالق ومالک اللہ تعالیٰ سے بھی رضی اللہ عنہم کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا -

۱۷ - كَسَحُوا بُيُوتَ نُفُوسِهِمْ وَتَبَادَرُوا
لِتَمَتُّعِ الْإِيقَانِ وَالْإِيمَانِ

**معانی الالفاظ** كَسَحُوا - كَسَحَ سے ماضی جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے - كَسَحَ الْبَيْتَ کے معنے ہیں گھر میں جھاڑو دی -

تَبَادَرُوا - تَبَادَرَ سے ماضی جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے - تَبَادَرَ الْقَوْمُ کے



معنے ہیں کہ لوگوں نے ایک دوسرے سے کسی کام کے کرنے میں سبقت لیجانے کی کوشش کی -

**ترجمہ** - انہوں نے اپنے نفسوں کی کوٹھڑیوں کو خوب صاف کیا اور یقین اور ایمان کی دولت لینے کے لئے وہ جلدی سے آگے بڑھے -

**شرح** - اس شعر میں صحابہؓ کی ایک اور خوبی کا ذکر کیا ہے - وہ یہ کہ انہیں اس امر کا پُورا احساس تھا کہ ایمان اور یقین کی دولت بغیر صفائی باطن نہ حاصل ہو سکتی ہے اور نہ کوئی فائدہ دے سکتی ہے - اس لئے انہوں نے اپنے باطن کو حد درجہ صاف اور پاک کیا تھا - اُن کی صفائے باطن کا اندازہ اس مثال سے لگایا جا سکتا ہے - کہ ایک شخص زنا کا مرتکب ہوتا ہے - اور اُسے معلوم ہے کہ اس کی سزا رجم ہے - لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور زنا کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے طَهِّرْنِي يَا رَسُولَ اللهِ - اے اللہ تعالیٰ کے رسول میں گناہ کا ارتکاب کر کے ناپاک ہو گیا ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ یہ ناپاکی کا داغ مجھ پر قائم رہے - اس لئے اس کی حد قائم کر کے مجھے پاک کیجیئے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے دریافت فرماتے ہیں - کیا تو مجنون تو نہیں؟ وہ نفی میں جواب دیتا ہے - جب چار دفعہ وہ اس گناہ کا اقرار کر چکا تو آپ نے اس پر زنا کی حد قائم کرنے کا حکم دیا - اس مثال سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہیں طہارت باطنی کا کس قدر خیال تھا -

---

قَامُوْا بِاَقْدَامِ الرَّسُوْلِ بِغَزْوِهِمْ
١٨- كَالْعَاشِقِ الْمَشْغُوْفِ فِي الْمَيْدَانِ

فَدَمُ الرِّجَالِ لِصِدْقِهِمْ فِيْ حُبِّهِمْ
١٩- تَحْتَ السُّيُوْفِ اُرِيْقَ كَالْقُرْبَانِ

**معانی الالفاظ** المشغوف: شغف حبہ اسکی محبت سویدائے قلب میں داخل ہوگئی۔ الشغف: اقصی الحبّ۔ انتہائی محبت

القربان: کلّ ما یتقرب بہ الی اللہ تعالیٰ من ذبیحۃ وغیرھا۔ ہر ذبیحہ جس سے تقرب الٰہی مطلوب ہو۔

**ترجمہ** شعر ١٨ - وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشقدمی کے ساتھ یا آپ کے حکم "آگے بڑھو" پر میدان جنگ میں ایک عاشق صادق کی مانند دشمن کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔

شعر ١٩ - سو اُن مردوں کے خون محبت میں صادق ہونے کے باعث تلواروں کے نیچے قربانیوں کی طرح بہائے گئے۔

**شرح** - ان دونوں شعروں میں صحابہؓ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت اور ان کی میدان جنگ میں ثابت قدمی اور ان کے اپنے نفسوں کی قربانی کا ذکر ہے۔

گو جنگ بدر میں مسلمان سپاہیوں کی تعداد ٣١٣ تھی اور دشمن کی



تعداد ایک ہزار تھی۔ لیکن مسلمان سپاہیوں کی اپنے صدق اور اخلاص اور عشق و محبت کی وجہ سے جو حالت تھی وہ دشمن کے ایک بدوی سردار عمیر بن وہب کی زبانی سُنیئے جو مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ لینے کے لیے متعین ہوا تھا۔ جب اس نے کفارِ مکّہ کو خبر دی کہ مسلمان تین سو اور تین سو کے قریب ہونگے اور کفار نے خوشی کا اظہار کیا تو اُس نے کہا۔ اے مکّہ والو! میرا مشورہ یہی ہے کہ تم ان لوگوں سے مقابلہ نہ کرو۔ کیونکہ میں نے اونٹوں پر آدمی نہیں بلکہ موتیں سوار دیکھی ہیں۔ یعنی ان میں سے ہر ایک شخص مرنے کیلئے میدان میں آیا ہے۔ زندہ واپس جانے کے لئے نہیں آیا۔

پھر میدان جنگ میں صحابہؓ کے عشق و محبت کا مظاہرہ بھی محیر العقول ہے۔ غزوۂ اُحد میں جب مسلمانوں کی فتح کے بعد ایک جماعت کی غلطی کے نتیجہ میں بظاہر شکست کا منظر پیش آیا۔ اور کفار تیر انداز ٹیلوں پر چڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بے تحاشا تیر برسانے لگے۔ تو حضرت طلحہؓ نے یہ دیکھکر اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کے آگے کر دیا۔ تیر کے بعد تیر حضرت طلحہؓ کے ہاتھ پر لگتا تھا مگر وہ جانباز اور وفادار صحابیؓ اپنے ہاتھ کو کوئی حرکت نہ دیتا تھا۔ تیر پڑتے گئے۔ اور حضرت طلحہؓ کا ہاتھ زخموں کی وجہ سے بے کار ہو گیا اور صرف ایک ہی ہاتھ ان کا باقی رہ گیا۔ سالہا سال بعد حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانے میں جب مسلمانوں میں خانہ جنگی ہو رہی تھی کسی دشمن نے طنز کے طور پر حضرت طلحہؓ کو ٹنڈا کہدیا۔ اِس پر ایک دوسرے صحابیؓ نے کہا

ہاں وہ ٹنڈا تو ہے مگر کیسا مبارک ٹنڈا ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ طلحہؓ کا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی حفاظت میں ٹنڈا ہوا تھا۔ جنگ اُحد کے بعد ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ جب تیر آپ کے ہاتھ پر لگتے تھے تو کیا آپ کو درد نہیں ہوتا تھا اور کیا آپ کے منہ سے اُف نہیں نکلتی تھی۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ کہ درد بھی ہوتا تھا اور اُف بھی نکلنا چاہتی تھی۔ لیکن میں اس ڈر سے اُف نہیں کرتا تھا کہ مبادا اُف کرتے وقت میرا ہاتھ ہل جائے اور تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر آلگے۔

ایک اور عاشقِ رسول کا واقعہ ہے کہ جب غزوۂ اُحد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو کر ایک گڑھے میں گر گئے اور آپ کے ارد گرد لڑتے ہوئے بہت سے صحابہؓ شہید ہوئے، اُن میں سے آپ کی حفاظت کرنے والے صحابہؓ کی لاشیں آپ پر آگریں جن سے آپ کا جسم مبارک چھپ گیا۔ اس پر کفار نے شور ڈال دیا کہ آپ قتل کر دیئے گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس غم سے ایک پتھر پر بیٹھے ہوئے زار زار رو رہے تھے کہ حضرت مالکؓ جن کو فتح کے بعد پیدا ہو جانے والے حالات کا کوئی علم نہیں تھا اور اس خیال میں تھے کہ ہم کو فتح حاصل ہو چکی ہے کھجوریں کھاتے ہوئے اُدھر سے گذرے اور حضرت عمرؓ سے رونے کا سبب پوچھنے پر یہ جواب سُنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو بولے کہ اگر یہ خبر صحیح ہے تو آپ یہاں بیٹھے رو کیوں رہے ہیں جس دنیا میں



ہمارا محبوب گیا ہے ہم کو بھی اُسی میں جانا چاہیئے۔ اس کے بعد وہ آخری کھجور جو ان کے ہاتھ میں تھی اور جسے وہ منہ میں رکھنا چاہتے تھے یہ کہکر کہ مالک اور جنت کے درمیان تیرے سوا اور کونسی چیز روک ہے وہ کھجور ہاتھ سے زمین پر پھینک دی اور تلوار کھینچ کر قریبًا تین ہزار کفار کے لشکر میں گھس گئے اور اس طرح سر ہتھیلی پر رکھ کر جنگ کی کہ دشمن دنگ رہ گیا۔ آپ اسی آن بان اور جوش و خروش سے لڑتے ہوئے زخمی ہو کر گرے۔ لیکن اس حالت میں بھی قریب آنے والوں پر وار پر وار کیے جاتے تھے۔ آخر بہت سے کفار نے آپ پر یکدفعہ ایسی تلوار برسائی کہ جسم پارہ پارہ ہو گیا۔ جنگ کے بعد آپ کی لاش کے ستر ٹکڑے ہو جانے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی تھی۔ ایک انگلی کے نشان کی بنا پر آپ کی ہمشیرہ نے بتایا کہ یہ میرے بھائی کی لاش ہے۔

جنگوں میں صحابہؓ کی محبت و فدائیت، خلوص و وفا اور صدق و صفا کی مثالیں اتنی کثیر ہیں جن کے لئے یہ مختصر تحریر کافی نہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد الجنّۃ تحت ظلال السیوف پر صحابہؓ کا پختہ ایمان تھا۔ وہ سمجھ گئے تھے اور انکے دلوں پر نقش ہو گیا تھا کہ جنّت راحت و آسائش اور عیش و عشرت کی زندگی سے نہیں بلکہ دشمن کی کھچی ہوئی تلواروں کے سایہ میں زندگی بسر کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور انہوں نے میدانِ جنگ میں اپنی جانوں کی جو قربانی پیش کی وہ اپنے اصل معنی میں قربانی ثابت ہوئی

کیونکہ صرف یہی نہیں کہ وہ شہادت کا درجہ حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کے مقرب ہو گئے بلکہ ان کی یہ قربانیاں دوسرے لوگوں کے لئے بھی قربِ الٰہی حاصل کرنے کا موجب بنیں اور بنتی چلی جائیں گی۔ جنگوں میں ان کا جو خون بہا اُس کے بیش بہا نتائج و فوائد اُن کی ذات تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ اُس نے اسلامی باغ کو سینچا، سرسبز و شاداب کیا اور مثمر ثمرات بنا دیا۔

۲۰۔
جَاءُوْكَ مَنْهُوْبِيْنَ كَالْعُرْيَانِ
فَسَتَرْتَهُمْ بِمَلَاحِفِ الْاِيْمَانِ

**معانی الالفاظ** مَلَاحِف۔ مِلْحَفَةٌ کی جمع ہے۔ ہر وہ چیز جو اوڑھی جاتی ہے۔ لباس اور جو لباس کے اوپر ہو۔ چادر وغیرہ۔

**ترجمہ** ۔ وہ تیرے پاس لُٹے ہوئے کی مانند برہنہ آئے۔ اور تو نے انہیں ایمان کے لباس پہنائے اور چادریں اوڑھا دیں۔

**شرح** ۔ عرب لوگ جو اسلام سے پہلے ہر قسم کی بھلائی سے محروم اور ہر قسم کی بُرائی سے ملوّث تھے۔ جن سے بڑھ کر اُجڈ اور جن سے زیادہ اکھڑ روئے زمین پر اور کوئی قوم نہیں تھی۔ جو تہذیب و تمدّن سے بالکل عاری۔ جن میں تقویٰ اللہ کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ جو نام و نمود اور شہرت کے دلدادہ تھے۔ اُن کی حالت ان لوگوں



کی سی تھی جن کے مال و متاع ڈاکوؤں نے لوٹ لئے ہوں۔ اور جن کے پاس بدن ڈھانکنے کے لئے بھی کوئی کپڑا نہ بچا ہو۔ ایسے حالات میں وہ اے میرے سیّد و مولا تیری خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو نے انہیں دولت اسلام بخشی اور تقویٰ کا لباس عطا فرمایا اور ایمان کی چادریں اڑھائیں اور نیکیوں کے میدان میں ایک دوسرے سے گوئے سبقت لے جانے کی کوشش کرنے والا بنا دیا۔ اور تیری پیروی کی برکت سے اُن کا لباس ایمان اور تقویٰ ہو گیا۔ ولباس التقویٰ ذٰلک خیر۔ اس شعر سے لیکر شعر ۳۹ تک اس انقلاب عظیم کا ذکر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عرب قوم میں ظہور پذیر ہوا۔

۲۱۔
صَادَفْتَهُمْ قَوْمًا كَرَوْثٍ ذِلَّةً
فَجَعَلْتَهُمْ كَسَبِيْكَةِ الْعِقْيَانِ

**معانی الالفاظ** رَوْث۔ لید۔ گوبر۔ اس کی جمع اَرْوَاث ہے۔ السبیکۃ۔ چاندی یا سونے کی صاف کی ہوئی ڈلی۔ اسکی جمع سَبَائِک ہے۔ العقیان۔ خالص سونا۔

**ترجمہ** ۔ تُو نے انہیں ایسی قوم پایا جو گوبر کی طرح ذلیل تھی۔ پھر تُو نے انہیں خالص سونے کی ڈلی کی مانند بنا دیا۔

**شرح** ۔ اس شعر میں اہل عرب کی قبل از اسلام حالت کو لید یا گوبر سے تشبیہ دی ہے یعنی حد درجہ ذلیل تھے۔ اقوامِ عالم میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ لیکن اے میرے آقا! تیری صحبت، تیری رفاقت اور تیری متابعت نے

ان کو خالص سونے کی ڈلی کے مانند بنا دیا اور اقوام عالم میں انہیں وہ درجہ اور مقام حاصل ہُوا جس کی نظیر پہلوں اور پچھلوں میں تلاش کرنا بے سُود ہے۔

## ۲۲- حَتّٰی انْثَنٰی بَرٌّ کَمِثْلِ حَدِیْقَةٍ
## عَذْبِ الْمَوَارِدِ مُثْمِرِ الْاَغْصَانٖ

**معانی الالفاظ** حَدِیْقَةٌ - باغ یا باغیچہ کو کہتے ہیں جس کی حفاظت کے لئے چاروں طرف دیوار ہو۔ اس کی جمع حَدَائِقُ ہے۔

عَذْبٌ - ہر کھانے اور پینے کی چیز جو بہ آسانی حلق سے نیچے اُتر جائے۔ مَاءٌ عَذْبٌ بہت اچھا پانی۔ اَلْمَوَارِدُ - مَوْرِدٌ کی جمع ہے۔ پانی کے لئے وارد ہونے کی جگہ یعنی گھاٹ پانی تک پہنچنے کا رستہ، مُراد پانی ہے۔

**ترجمہ** - یہاں تک کہ عرب کا چٹیل میدان اُس باغ کی مانند ہو گیا جس کے چشمے خوشگوار اور شیریں اور درختوں کی شاخیں پھلدار ہوں۔

**شرح** - اس شعر میں اہل عرب کی اس حالت کو جو اسلام سے پہلے تھی ایک بیابان بے آب و گیاہ سے تشبیہ دی گئی ہے جس میں یہی نہیں کہ کوئی دلکشی و دلچسپی اور امن و آرام کی جگہ پائی نہیں جاتی بلکہ ہر طرف مصیبت ہی مصیبت اور ہلاکت ہی ہلاکت نظر آتی ہے۔ نہ کھانے کو غذا مل سکتی ہے، نہ پینے کو پانی اور نہ ٹھیرنے کو سایہ۔ لیکن حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے پر وہ وحشت انگیز بیابان ایک ایسے دلکش و فرحت خیز باغ میں تبدیل ہو گیا جس میں نہایت صاف و شفّاف پانی کی نہریں جاری ہوں۔ جس کے سرسبز و شاداب



درختوں میں ایسی کشش ہو کہ دل بے اختیار اس کی طرف کھچیں اور اس کے پھولوں میں ایسی مہک اور پھلوں میں ایسا ذائقہ ہو کہ مشام جان اس سے معطّر اور کام و زبان وہ لذت پائیں جس کی نظیر نہ مل سکے۔

باغ اسلام کا ایک لذیذ پھل حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ بیت المقدس کے پادریوں کی درخواست پر جب آپ کنیسۃ القیامۃ میں جو عیسائیوں کا سب سے بڑا قابلِ تعظیم گرجا ہے تشریف لے گئے اور نماز کا وقت آگیا۔ تو پادریوں نے درخواست کی کہ یہیں گرجے میں نماز ادا کریں تو آپ نے اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر میں نے یہاں نماز پڑھی تو ممکن ہے آئندہ آنے والے مسلمان اس بہانہ سے اس پر قبضہ کر کے مسجد نہ بنالیں پھر عیسائیوں کو تکلیف ہو۔ پھر آپ نے گرجا سے نکل کر سیڑھیوں کے قریب نماز ادا کی جہاں چھوٹی سی مسجد بنی ہوئی ہے۔

اسی طرح باغ اسلام کا ایک اور لذیذ پھل حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ تھے حمص[1] کو جب مرکز کے حکم سے مسلمان فوج خالی کر کے دوسرے محاذ پر جانے لگی تو حضرت ابو عبیدہؓ نے سرداروں کو بلوا کر کہا۔ چونکہ اب ہم آپ کی حفاظت نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے آپ سے جو مال کا جزیہ لیا گیا تھا وہ آپ کو واپس کیا جاتا ہے۔ اس حسن معاملگی کو دیکھ کر اس علاقہ کے عیسائی زار زار روئے۔ اور کہا ایسا سلوک تو ہم نے اپنی ہم مذہب حکومت سے بھی نہیں دیکھا۔ اور دعائیں دینے لگے کہ آپ پھر واپس آئیں۔

الغرض باغ اسلام کے پھل ایسے لذیذ اور خوش ذائقہ تھے کہ وہ آپ ہی اپنی نظیر تھے۔

[1] حمص اور شام کے دوسرے شہروں کو

۲۳۔ عَادَتْ بِلَادُ الْعُرْبِ نَحْوَ نَضَارَۃٍ
بَعْدَ الْوَجٰی وَ الْمَحْلِ وَالْخُسْرَانٖ

**معانی الالفاظ** اَلْعُرْبُ وَالْعَرَبُ۔ ان کی جمع اَعْرُب وَعُرُوْب ہے۔ بحرِ احمر کے مشرق میں جزیرہ نما علاقہ کے رہنے والے لوگ۔ نَضَارَۃ۔ حسن و جمال۔ رونق و تر و تازگی۔ دولت و غنا۔ اَلْوَجٰی بکثرت ننگے پاؤں چلنے سے پاؤں کا گھس جانا۔ اَلْوَجِیُّ۔ بے نفع اور بے خیر۔ ابن السکیت کہتے ہیں کہ وَجَا یہ ہے کہ اونٹ اپنے پاؤں کے اندر اور گھوڑا اپنے کھر کے اندر درد محسوس کرے (لسان العرب)۔ اَلْمَحْلُ۔ قحط خشک سالی رَجُلٌ مَحْلٌ۔ بے فیض اور بے نفع شخص۔ اَلْخُسْرَانُ: نقصان۔ ہلاکت۔ ناکامی۔ ضلالت۔ تباہی۔

**ترجمہ** ۔ عرب کے شہروں میں حسن و بہار اور رونق و تر و تازگی آگئی خستہ حالی و خشک سالی اور تباہی و ویرانی کے بعد۔

**شرح** ۔ عرب قوم کے شہر جو ویرانی و قحط اور خشک سالی کا منظر پیش کر رہے تھے اور ایسے خستہ حال تھے کہ ان سے کسی فائدہ یا بھلائی کی توقع نہ رہی تھی۔ ذلّت اور نحوست کے بادل اُن پر چھائے ہوئے تھے۔ تباہی اور ہلاکت ہر گھڑی اُن پر منڈلا رہی تھی۔ لیکن اے بارانِ رحمت! تیری آمد سے اُن کی خشک سالی دُور ہو گئی۔ خشکی کی جگہ تر و تازگی نے لی۔ ذلّت و نحوست جاتی رہی۔ بیابان گلستان میں تبدیل ہو گئے۔ ریگستان



مرغزار بن گئے۔ ویران جگہیں آباد ہو گئیں اور ہر طرف چہل پہل بہار اور رونق نظر آنے لگی۔

۲۴۔ كَانَ الْحِجَازُ مُغَازِلَ الْغِزْلَانِ
فَجَعَلْتَهُمْ فَانِیْنَ فِی الرَّحْمٰنِ

**معانی الالفاظ** ۔ مُغَازِل۔ غَازَلَ سے اسم فاعل ہے۔ غَازَلَ الْمَرْأَۃَ۔ عورت سے دل لگی اور محبت و عشق کی باتیں کیں۔ اَلْغَزَلُ۔ عورت سے خوش وقت ہونا اور خوش طبعی کی باتیں کرنا۔ غِزْلَان۔ غزال کی جمع ہے۔ ہرن۔

**ترجمہ** ۔ اہل حجاز جو خوبصورت عورتوں سے بے حیا با عشقبازی میں محو تھے۔ تُو نے انہیں رحمٰن میں فانی بنا دیا۔

**شرح** ۔ یہاں سے چند مذموم اجتماعی بُرائیوں کا ذکر شروع ہوتا ہے جو عرب میں بکثرت پھیلی ہوئی تھیں۔ اور وہ ایسی بُرائیاں ہیں کہ جو قوم ان میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ وہ اخلاقی اور روحانی لحاظ سے تباہ ہو جاتی ہے اور ان کا مداوا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ اور وہ فحاشی اور زنا کاری، شراب نوشی عیاشی اور موسیقی ہیں۔ تالمود سے ظاہر ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں بھی یہ تینوں بُرائیاں بدرجہ کمال پائی جاتی تھیں۔ جب ان کی اصلاح نہ ہو سکی تو وہ قوم تباہ ہو گئی۔ اس وقت یورپین اقوام میں بھی یہ تینوں بُرائیاں کافی حد تک موجود ہیں۔ لیکن ان پر حکومتوں کا کافی حد تک احتساب بھی ہے اور اسی نسبت سے وہ اُن کے بد عواقب کی سزا بھگت رہی ہیں

بعض حکومتیں ان کے ازالہ کے لئے کوشاں ہیں لیکن انہیں کامیابی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ ایسے بد افعال کی کھلے بندوں اشاعت کی جاتی ہے اور جنسی جذبات کو ابھارنے اور برانگیختہ کرنے والے قصّے اور کہانیاں اور بیانات آزادانہ اخبارات و رسالجات میں شائع ہوتے ہیں اور ان پر کوئی احتساب نہیں۔ ایکٹرس اور خوش گلو نغمہ سنج عورتوں اور مردوں کا بے حد احترام کیا جاتا ہے۔ انکے لیڈرز اور مؤلفین کو اعتراف ہے کہ فحاشی اور زناکاری ہماری سوسائٹی میں ایسی صورت میں سرائت کر چکی ہے جس کو دُور کرنا ممکن نہیں۔

عربوں میں یہ تینوں بُرائیاں ان کی تہذیب و تمدن کا جزو لاینفک بن چکی تھیں۔ اور وہ فخریہ طور پر اپنے قصائد اور مجالس میں ان کا ذکر کرتے تھے۔ بطور مثال عرب کا مشہور شاعر لبید بن ربیعہ اپنے معلقہ میں اپنی محبوبہ کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

بل انت لا تدرین کم من لیلة  طلق لذیذ لهوها وندامها
قد بتّ سامرها وغایة تاجر  وافیت اذ رفعت وعزّ مدامها
اغلی السباء بکل ادکن عاتق  او جونة قدحت وفض ختامها
وصبوح صافیة وجذب کرینة  بموتر تأتاله ابهامها

یعنی اے میری محبوبہ تو نہیں جانتی کہ کتنی ہی خوشگوار راتیں جن کی خوش رنگی اور مے نوشی کی مجلس نہایت لذیذ تھی ندماء کے ساتھ گذاریں۔ اور کتنی ہی دفعہ میں میخانہ میں آیا اور خمّار کا جھنڈا دکان پر بلند کیا گیا اور میں نے اتنی شراب پی اور پلائی کہ اس کا ملنا مشکل ہو گیا۔ میں ہر قدیم مشکیزے کی پرانی شراب کے مہنگا



یا بڑے مٹکے کی شراب کے جس کی مہر توڑی گئی ہو گرانی کا باعث ہوتا ہوں۔ اور صبح کی مصفّا اور خالص شراب اور نوجوان لڑکی کے اپنے انگوٹھے سے سُرنگی کی تاروں کے تا تا کی آواز نکالنے کی کوشش سے بارہا متمتع ہوا۔

اسی طرح عمرو بن السعید البکری اپنے معلقہ میں کہتا ہے: ؎

فلولا ثلاث هن من عیشة الفتی  وجدّك لم احفل متی قام عوّدی
فمنهن سبقی العاذلات بشربة  کمیت متی ما تعل بالماء تزبد
وکرّی اذا نادی المضاف محنبا  کسید الغضی نبهته المتورّد
وتقصیر یوم الدجن والدجن معجب  ببهکنة تحت الخباء المعمّد

یعنی اگر تین باتیں جوان کی لذت سے نہ ہوتیں تو میں اپنی موت کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کرتا۔ ان میں سے ایک تو سُرخ شراب کے پینے میں سبقت لے جانا ہے جسے پانی کے ساتھ ملا کر جوش دیا جائے تو وہ جھاگ دینے لگے۔ دوسری تیز رو گھوڑے کی عنان کو ایک خائف مظلوم کی نصرت کیلئے پھیرنا اور تیسری ستونوں والے خیمہ کے اندر خوبصورت نازک اندام تنومند محبوبہ کے ساتھ خوشگوار ابر والے دن کا چھوٹا ہونا۔

اسی طرح عرب جاہلیت کا مشہور شاعر امرئ القیس کہتا ہے ؎

وبیضة خدر لا یرام خباؤها  تمتعت من لهو بها غیر معجل
تجاوزت احراسا الیها ومعشرا  حراصا علیّ لو یسرون مقتلی
فجئت وقد نضّت لنوم ثیابها  لدی الستر الا لبسة المتفضل
خرجت بها تمشی تجر وراءنا  علی اثرینا ذیل مرط مرحّل

فلما اجزنا ساحة الحیّ وانتحیٰ　　بنا بطن ذی خبت حقاف عقنقل

ھصرت بفودی رأسھا فتمایلت　　علیّ ھضیم الکشح ریّا المخلخل

یعنی کتنی ہی خوبصورت نوجوان لڑکیاں ہیں جن کے خیمے کا قصد نہیں کیا جاتا۔ لیکن میں بہ اطمینان اُن سے خوش طبعی کرکے متمتع ہُوا۔ میں اس کے پاس محافظوں اور ایک ایسی جماعت کے پاس سے گذر کر گیا کہ اگر وہ چھپا سکتے تو وہ میرے قتل کے بے حد حریص تھے۔ اور میں اس کے پاس اس وقت پہنچا جبکہ اس نے صرف سونے کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور دن کا لباس اُتار دیا تھا۔ اگلے شعروں کا ترجمہ نہ کرنا ہی مناسب ہے۔

ایسے ننگے طور پر اشاعتِ فحشاء کی جاتی اور اس پر فخر کیا جاتا۔ یہ وہ قصائد تھے جنہیں عمدہ اور اعلیٰ پایہ کا کلام سمجھ کر خانہ کعبہ میں ٹنکایا گیا تھا۔ اور یہی بدیاں جب عیسائیت میں ایک حد تک داخل ہوگئیں تو اُن سے بھی روحانیت مفقود ہوگئی۔ چنانچہ اخطل جو پہلی صدی ہجری میں مشہور عیسائی شاعر گذرا ہے گو اپنی حالت بیان کرتا ہے لیکن اس سے اُس وقت کے عیسائیوں کی اندرونی حالت کی خرابی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

بان الشباب و ربما عللته　　بالغانیات و بالشراب الاصہب

یعنی جوانی مجھ سے جُدا ہوگئی اور میں نے اس کے روکنے کے لئے کئی مرتبہ اور بہت دفعہ یہ حیلہ کیا ہے کہ پیکرِ حسن و جمال عورتوں اور سُرخ شراب کے ساتھ اپنا شغل رکھا ہے۔

اِس شعر میں اخطل نے جو اپنی قوم میں نہایت معزز اور مکرم تھا اپنی



زندگی کے واقعات کا صحیح نقشہ کھینچ دیا ہے اور بدکاری کے لوازمات یعنی خوبصورت عورتوں اور ارغوانی شراب کا ذکر کرکے اپنی بدکاری کا اعتراف کیا ہے ؎[1]

الغرض یہ تینوں بدیاں یعنی عورتوں سے عشقبازی اور شراب نوشی جو بدمعاشی کے لوازمات میں سے ہیں اور موسیقی یعنی گانا بجانا جو اس کے توابع میں سے ہے عیاشی کی بنیادی چیزیں ہیں۔

اِس شعر میں عربوں کی بُرائی کا ذکر کیا ہے کہ وہ خوبصورت عورتوں سے بے محابا عشقبازی کرتے تھے اور ہر دم عورتوں کا بھوت اُن کے دماغوں پر سوار رہتا تھا۔ وہ آزاد تھے، فراغت حاصل تھی اسلئے وہ رنگ رلیوں میں مشغول رہتے۔ اِس شعر میں خوبصورت عورتوں کو غِزلان کہا گیا ہے کیونکہ عرب لوگ حسین و جمیل عورت کو ہرن یا نیل گائے سے تشبیہ دیتے تھے۔ چنانچہ اخطل اپنے گرجے کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

ان من یدخل الکنیسة یوماً　　یلق فیھا جآذراً و ظباء

اگر ہمارے گرجہ میں کسی دن کوئی جائے تو بہت سے گوزن بچے اور ہرن اُس میں پائے گا۔ یعنی بہت سی خوبصورت جوان اور باجمال جست عورتوں کو دیکھ کر حظ اُٹھائیگا۔

پس اہل حجاز جو رات دن حسین عورتوں کے عشق میں فنا تھے۔ وہ تیری صحبت سے اے میرے محبوب خدائے رحمٰن کے عشق میں فنا ہو گئے۔ اُن کے خیالات، اُن کے افکار، اُن کے احساسات، اُن کے جذبات، ان کی حرکات و سکنات، اُن کا قیام و قعود، اُن کا کھانا اور پینا، اُن کے اقوال و افعال غرض

[1] نور القرآن

اُن کے ارادات و خواہشات سب خدا تعالیٰ کے منشاء کے ماتحت ہو گئے۔ انہوں نے اپنے آپ کو خدا تعالےٰ کے ہاتھ میں ایسے سونپ دیا جیسے کہ مُردہ بدست زندہ ہو۔

۲۵- شَيْئَانِ كَانَ الْقَوْمُ عُمْيًا فِيهِمَا
حَسْوُ الْعُقَارِ وَكَثْرَةُ النِّسْوَانِ

**معانی الالفاظ** ۔ عُمْيٌ ۔ اَعْمٰی کی جمع ہے۔ اندھے۔ حسو ۔ تھوڑا تھوڑا مزے لے لے کر پینا۔ عُقَار: شراب ۔ نِسْوَان ۔ جمع ہے ۔ اس لفظ کی مفرد کوئی نہیں ہے۔ عورتیں۔

**ترجمہ** ۔ دو چیزیں تھیں جن میں عرب قوم اندھی ہو رہی تھی۔ شراب کا مزے لے لیکر پینا اور عورتوں کی بہتات۔

**شرح** ۔ اس شعر میں پہلی بُرائی کے ساتھ دوسری بُرائی یعنی مے نوشی کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں عورتوں کی کثرت سے مُراد رقاصات، مغنّیات اور عشقبازی کرنے والی عورتیں ہیں۔ اور ان دونوں بُرائیوں میں عرب قوم نتائج سے بے پرواہ ہو کر از سرتا پا غرق تھی۔

۲۶- اَمَّا النِّسَاءُ فَحَرَّمَتْ اِنْكَاحُهَا
زَوْجًا لَهُ التَّحْرِيمُ فِي الْقُرْآنِ

**معانی الالفاظ** ۔ زَوْجٌ ۔ عربی زبان میں جوڑے کو کہتے ہیں۔ اور یہ لفظ



مرد عورت دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

**ترجمہ** ۔ عورتوں کا پُوچھو تو اُن کی نسبت یہ حکم ہُوا کہ ان کا نکاح ایسے زوج سے منع ہے جس کی تحریم قرآن میں آگئی ہے۔

**شرح** ۔ جنسی تعلقات کی بدی روکنے کے لئے یہ قانون جاری ہُوا کہ کوئی مرد و عورت جن کا باہمی نکاح قرآن مجید میں حرام کر دیا گیا ہے وہ آپس میں کسی حالت میں اور دوسرے بغیر عقد نکاح کے جنسی تعلقات قائم نہیں کر سکتے۔ اور وہ آیات جن میں مخصوص عورتوں سے نکاح حرام کیا گیا ہے یہ ہیں:- ولا تنکحوا ما نکح اٰباءکم سے لیکر غیر مسافحین تک۔ اور ان کا ترجمہ یہ ہے:-

"اور جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے تم اُن کے ساتھ نکاح مت کرو۔ اور جو ہو چکا اسپر کچھ مؤاخذہ نہیں۔ (یعنی جاہلیت کے زمانہ کی خطا معاف کی گئی) اور پھر فرماتا ہے۔ کہ باپ کی منکوحہ عورت کو اپنے عقد نکاح میں لانا بڑی بیحیائی اور غضب کی بات ہے اور بہت ہی بُرا دستور تھا۔ تم پر یہ سب رشتے حرام کئے گئے ہیں۔ جیسے تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور دائیاں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا۔ اور دودھ شریک بہنیں اور تمہاری عورتوں کی وہ لڑکیاں جو تمہاری گودوں میں پرورش پائیں اور تمہارے گھروں میں رہیں۔ مگر عورتوں سے وہ عورتیں مراد ہیں جو تم سے ہمبستر ہو چکی ہوں۔ اور اگر تم نے ان عورتوں سے صحبت نہ کی ہو تو

اس صورت میں تمہیں نکاح کرنے سے مضائقہ نہیں - اور ایسا ہی تمہارے
بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں مگر وہ بیٹے جو تمہارے صلبی بیٹے ہوں -
متبنّٰی مُراد نہیں ہیں - اور یہ حرام ہے کہ تم دو بہنوں سے ایک ساتھ
نکاح کرو اور دونو تمہارے نکاح میں ہوں مگر جو پہلے اس سے گذر گیا
اسپر کچھ مواخذہ نہیں بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے
اور وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں - مگر
وہ عورتیں جو شرعی طور پر ظالم کافروں کی لڑائی میں قید ہو کر تمہارے
قبضہ میں آئی ہوں - یہ خدا کا حکم تحریری ہے جو تم پر لازم کیا جاتا ہے
ان عورتوں کے سوا جنکا ذکر کیا گیا باقی سب عورتیں تم پر حلال ہیں - مگر
اس شرط سے کہ وہ تعلق صرف شہوت رانی کا ناجائز تعلق نہ ہو بلکہ
نیک اور پاک مقاصد کی بنا پر نکاح ہو -

اور جو مرد کسی عورت سے یا جو عورت کسی مرد سے ناجائز تعلق قائم کریگی
اس کے لئے قرآن مجید میں سزا مقرر کر دی گئی ہے -

۲۷- وَجَعَلْتَ دَسْكَرَةَ الْمُدَامِ مُخَرَّبًا
وَاَزَلْتَ حَانَتَهَا مِنَ الْبُلْدَانِ

**معانی الالفاظ** دسکرۃ - واحد ہے - اس کی جمع دساکیر ہے - وہ
مقامات جہاں شراب اور لہو و لعب ہو - المدام - شراب
الحان والحانۃ - شراب فروخت ہونے کی جگہ -



**ترجمہ** - تُو نے میخانے ویران کر دیئے - اور شراب کی دکانیں شہروں سے ہٹا دیں -
**شرح** - شعر ۲۶ و ۲۷ میں علم بدیع کی صنعت لف و نشر غیر مرتب
استعمال کی گئی ہے - کیونکہ شعر ۲۵ میں پہلے شراب کا ذکر تھا پھر عورتوں کی
بہتات کا - لیکن تفصیل بیان کرتے ہوئے پہلے عورتوں کا ذکر کیا پھر شراب کا -
جیسے سورۃ الدہر کی آیت اما شاکرًا و اما کفورًا کہکر پہلے کافروں کا ذکر کیا پھر
ابرار کا -

اس شعر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عظیم الشان کارنامہ کا
ذکر ہے جو معجزہ سے کسی طرح کم نہیں - عرب قوم مے نوشی کی سخت عادی تھی -
اور اُن کی شراب نوشی زبان زدِ خلائق تھی - وہ مے نوشی اور اس کے نشہ سے مدہوش
ہونے کو فخریہ بیان کیا کرتے تھے - ان کے قصائد مے نوشی کے ذکر سے پُر ہیں -
لبیدؔ بن ربیعہ اپنی شراب نوشی پر فخر کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

بادرت حاجتها الدجاج بسحرة لاعلّ منها حين هبّ نيامها

یعنی میں نے مُرغ سے بھی جو بہت صبح سویرے اُٹھتا ہے سبقت کرتے ہوئے
سحری کے وقت شراب پی - اس لئے نہیں تا لوگ مجھے دیکھکر شراب نوشی کا طعنہ
نہ دیں بلکہ اس لئے کہ جب رات کے سوئے ہوئے صبح کو میخانے میں آکر شراب
نوش کریں تو میں اُن سے فخریہ کہہ سکوں کہ تم تو پہلی بار شراب پی رہے ہو اور
میں دوسری بار - اور عمرو بن کلثوم تغلبی اپنے معلقہ میں کہتا ہے ؎

أَلا هُبّي بصحنك فاصبحينا ولا تبقي خمور الاندرينا
وكأس قد شربت ببعلبك واخرى في دمشق وقاصرينا

یعنی اے محبوبہ! شراب کا پیالہ لیکر اُٹھ! اور قصبہ اندرین کی بنی ہوئی جسقدر شرابیں ہیں وہ سب مجھے پلا دے اور ایسا کر کہ شراب کے ذخیرہ سے کچھ باقی نہ رہ جائے۔

پھر کہتا ہے کہ میں نے مقام بعلبک میں بھی بہت شراب پی ہے اور پھر اسی قدر دمشق میں بھی۔ اور ایسا ہی مقام قاصرین میں بھی پیتا رہا۔

قدیم مذاہب میں سے یہودیت اور عیسائیت میں بھی شراب کا استعمال کسی نہ کسی صورت میں جائز قرار دیا گیا۔ سب سے زیادہ عیسائیوں نے شراب نوشی کی۔ اس زمانہ میں بھی شراب کشیدگی اور شراب نوشی کا مرکز عیسائی ممالک ہی بنے۔ اور جس ملک میں بھی ان کا اثر اور نفوذ ہوا وہاں مے نوشی میں اضافہ ہوتا گیا۔

موجودہ زمانہ میں امریکہ جیسی عظیم الشان طاقت نے جو اس وقت اپنے حسن انتظام اور ظاہری طاقت اور دولت و ثروت کے لحاظ سے دنیا میں نمبر اوّل پر ہے امتناعِ شراب نوشی و کشیدگی کے لئے قوانین بنائے اور پولیس فوج اور ٹیکس کے محکموں نے مل کر متحدہ طور پر اپنے ملک سے مے نوشی کی لعنت دور کرنے کے لئے کوشش کی۔ لیکن وہ ناکام رہے بلکہ امتناع شراب کے قوانین کے نفاذ کے بعد شراب نوشی پہلے سے بھی زیادہ ہو گئی۔

اسی طرح حکومت بھارت نے موجودہ سال جزوی پابندی لگائی اس کا جو نتیجہ نکلا وہ نمائندہ "نوائے وقت" مقیم دہلی کے الفاظ میں یہ ہے:۔



"دہلی میں یکم اپریل ۱۹۵۶ء سے جزوی طور پر شراب نوشی پر پابندی عائد ہے۔ دیسی شراب کے سات ٹھیکے تھے جن میں سے گنجان آبادی والے ختم کر دئے گئے اور افتادہ جگہوں پر تین ٹھیکے رہنے دئے گئے۔ انگریزی شرابخانوں میں اوقات کار مے نوشی میں کمی کر دی گئی۔ اب وہاں صبح بارہ بجے سے تین بجے تک اور رات کے سات بجے سے دس بجے تک ہی شراب مل سکتی ہے اور وہ بھی لازمی طور پر کھانے کے ساتھ پہلے ہفتے میں منگل کے روز شراب خانے بند رہتے تھے اب منگل اور جمعہ دو روز بند رہتے ہیں لیکن لطف یہ ہے کہ ان پابندیوں کے باوجود اپریل کے مہینے میں شراب کی کھپت میں کمی کی بجائے اضافہ ہوا ہے بتایا گیا ہے کہ گذشتہ سال اپریل کے مہینے میں دہلی میں جتنی شراب اور بیئر استعمال ہوئی تھی اس سال اپریل کے مہینے میں اس سے ۲۳۴ گیلن شراب اور ۲۵۵۹ گیلن بیئر زیادہ استعمال ہوئی۔ دیسی شراب کے ٹھیکوں پر بھی کھپت میں اضافہ ہوا بلکہ بہت زیادہ اضافہ۔ اپریل ۱۹۵۵ء میں جہاں ۱۸۰۰ بوتلیں فروخت ہوئی تھیں وہاں اپریل ۱۹۵۶ء کے صرف پہلے ہفتے میں تین ہزار بوتلیں فروخت ہوئیں۔" (نوائے وقت ۱۰ جولائی ۱۹۵۶ء صہ۲ مکتوب دہلی)

لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیر قدسی کا یہ عالم تھا کہ جب ہجرت کے چوتھے سال شراب کی تحریم کا حکم نازل ہوا تو اس حکم کا اعلان ہوتے ہی مسلمانوں نے شراب پینا بالکل ترک کر دیا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے

کہ جس وقت مدینے کے گلی کوچوں میں اس حکم کا اعلان کیا جا رہا تھا اسوقت ایک انصاری کے گھر میں شراب کی محفل گرم تھی - دَور چل رہا تھا - ایک خُم لنڈھایا جا چکا تھا - دوسرے کی نوبت آنے کو تھی کہ اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینا ممنوع قرار دے دیا ہے - محفل میں سے ایک شخص اُٹھ کر بولا کہ یہ شراب کی ممانعت کا حکم معلوم ہوتا ہے - ٹھیر جاؤ معلوم کر لیں - اس پر ایک اور شخص اٹھا اور اس مٹکے کو جو شراب سے بھرا ہوا تھا ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کہا کہ پہلے حکم کی تعمیل کرو اور پھر دریافت کرو - (بخاری کتاب الاشربہ)

حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جس دن شراب کے حرام ہونے کا اعلان کیا گیا اس دن مدینہ کی گلیوں میں شراب پانی کی طرح بہ رہی تھی - جن مسلمانوں نے یہ اعلان سُنا تھا اس کے بعد انہوں نے کبھی شراب نہیں پی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محض ایک اعلان ہی عرب قوم سے شراب نوشی جیسے تمدنی مزمن مرض کو معدوم کرنے کے لئے کافی ہوُا - اِس اعلان سے شراب خانے ویران اور شراب کی دوکانیں مقفّل ہو گئیں نہ شراب کشیدگی باقی رہی اور نہ شراب نوشی -

یہ فوری انقلاب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیر قوت قدسیہ سے ظہور میں آیا ایسا عظیم الشان و رفیع القدر انقلاب ہے جس کی نظیر نہ آپ سے پہلے کی اقوام عالم میں پائی گئی ہے نہ آپ کے بعد پیدا ہونے والی کسی قوم میں -



۲۸ -

كَمْ شَارِبٍ بِالرَّشْفِ دَنًّا طَافِحًا

فَجَعَلْتَهُ فِي الدِّيْنِ كَالنَّشْوَانِ

**معانی الالفاظ** اَلرَّشْفُ - ہونٹوں سے چُوس چُوس کر پینا - رَشِفَ الْاِنَاءَ - برتن میں جو کچھ تھا وہ سارا پی لیا - دَنٌّ - بڑا مرتبان یا مٹکا جسے مٹی کھود کر کھڑا کیا جاتا ہے - طَافِحٌ - بھرا ہوُا - اَلنَّشْوَانُ - سکران - مدہوش - اس کی مؤنث نشوئی ہے -

**ترجمہ** - بہت تھے جو خُم کے خُم پی جاتے تھے - پھر تو نے اُن کو دین کا متوالا بنا دیا -

**شرح** - جس طرح شراب کے نشہ میں ایک مست و مدہوش شخص کے افعال فکر عواقب سے آزاد ہوتے ہیں - اسی طرح اے میرے محبوب تُو نے انہیں شراب کے نشہ سے نجات دلا کر دین کا ایسا متوالا بنا دیا کہ انہوں نے دین کی خاطر عواقب سے بے فکر ہو کر قربانیاں کیں - چنانچہ منافق لوگ انہیں یہی طعنہ دیتے تھے کہ وہ عواقب سے بے فکر ہو کر قربانی کرتے ہیں - مال خرچ کرتے ہیں تو ایسے رنگ میں گویا انہیں کل کی فکر ہی نہیں اپنی جانیں قربان کرتے ہیں تو ایسے گویا کہ ؂

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن

نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

---

٢٩- كَمْ مُحَدِّثٍ مُسْتَنْطِقِ الْعِيْدَانِ

قَدْ صَارَ مِنْكَ مُحَدَّثَ الرَّحْمٰنِ

**معانی الالفاظ** مُحَدِّث: مبتدع - بدعتی - مستنطق - استنطقہ: کلّمہٗ یعنی اس سے کلام کیا۔ اس سے خواہش کی کہ وہ بولے
العیدان - عود کی جمع ہے - سرنگی یا عود -

**ترجمہ** - کتنے ہی بدعتی عود یا سرنگی بجانے والے اور ان سے باتیں کرنے والے تیرے طفیل وہ خدائے رحمٰن سے ہمکلام ہوئے -

**شرح** - بہت سے ایسے بھی تھے جو سرنگی، عود اور رباب بجاتے اور ان کی سروں پر راگ گاتے تھے - لیکن اے میرے مطاع تیری متابعت کے ذریعے وہ اپنے محبوب ازلی سے ہمکلام ہوئے - چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا - پہلی امتوں میں محدث گذرے ہیں - جن سے خدا ہمکلام ہوتا تھا - اور ان کی زبان پر فرشتے بولتے تھے - میری امّت میں بھی ایسے افراد ہونگے - اُن میں سے ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قرار دیا -

اس شعر کے لفظ مُحَدِّث اور محدَّث میں علم بدیع کی صنعت تجانس لفظی پائی جاتی ہے -

---



٣٠- كَمْ مُسْتَهَامٍ لِلرَّشُوْفِ تَعَشُّقًا

فَجَذَبْتَهُمْ جَذْبًا اِلَى الْفُرْقَانِ

**معانی الالفاظ** مستہام - کہتے ہیں استہیم فؤادہٗ - اس کا دل اور عقل محبت و عشق میں کھوئے گئے اور ایسے شخص کو مستہام الفؤاد کہتے ہیں - رشوف: المرأۃ الطیبۃ الفم - یعنی معطر دہن عورت (لسان العرب)

**ترجمہ** - بہتیرے تھے جو معطّر دہن عورتوں کے عشق میں سرگرداں تھے پس تُو نے انہیں فرقان کی طرف کھینچ لیا -

**شرح** - یعنی پہلے وہ خوبصورت عورتوں کے عشق میں سرگرداں تھے لیکن اے میرے محبوب! تو نے انہیں اللہ تعالیٰ کے کلام فرقان مجید کا ایسا گرویدہ اور عاشق بنا دیا کہ وہ اُس کے ہو رہے اور بمطابق حدیث الدنیا سجن للمؤمن قرآن مجید کے احکام کی چار دیواری میں انہوں نے اپنی زندگی بسر کی -

٣١- اَحْيَيْتَ اَمْوَاتَ الْقُرُوْنِ بِجَلْوَةٍ

مَاذَا يُمَاثِلُكَ بِهٰذَا الشَّانِ

**معانی الالفاظ** اَمْوَات - میّت اور میْت کی جمع ہے - مُردے - القرون - قرن کی جمع ہے - صدی - جلوۃ:

جَلَا العروس علیٰ زوجہا جلوۃ اس وقت کہتے ہیں جب دلہن دولہا کو پہلی دفعہ چہرہ دکھاتی ہے۔ اور جِلْوَۃ وہ تحفہ ہے جو زفاف کے وقت دولہا دلہن کو پیش کرتا ہے۔

**ترجمہ** تُو نے صدیوں کے مُردے ایک جلوہ سے زندہ کردیئے۔ کون ہے جو اس شان میں تیرا نظیر ہو سکے۔

**شرح** ۔ اس شعر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فضیلت کا ذکر کیا گیا ہے کہ پہلے نبی اپنی اپنی قوم کو اس رنگ کی پائیدار اور کامل روحانی زندگی عطا نہ کرسکے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قوم عرب کو حاصل ہوئی دنیا میں جسقدر رسول و نبی آئے اُن سب کا اہم مقصد اور عظیم الشان مشن توحید الٰہی کی تبلیغ تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

"وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ الخ" (النحل ع۵)

یقیناً ہم نے ہر قوم کی طرف رسول بھیجے اور اُن میں سے ہر رسول نے یہی تعلیم دی کہ تم اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور تمام طاغوتی طاقتوں سے اجتناب اختیار کرو۔

رسولوں کے اس مشترکہ مشن کو ملحوظ رکھ کر جب امتِ محمدیہ کا دوسری اُمتوں سے مقابلہ کیا جائے تو جس رنگ میں کیفیت و کمیّت کے لحاظ سے اُمت محمدیہ توحید پر قائم رہی اس کی نظیر کسی اور رسول کی امت میں نہیں پائی جاتی۔ حضرت نُوح علیہ السلام کی قوم میں سے چند لوگ ایمان لائے اور باقی قوم بت پرستی اور فسق و فجور پر قائم رہی۔ آخر ہلاک کی گئی حضرت موسیٰ علیہ السلام



کی قوم بنی اسرائیل کی یہ حالت تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہی ایک بُت پرست قوم کو دیکھکر کہنے لگی اِجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دو جیسے اس قوم کے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبود ہیں۔ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے چند دن کے لئے علیحدگی اختیار کی تو وہ بچھڑے کو پُوجنے لگ گئے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے بھی تھوڑی ہی مدت کے بعد شرک میں مبتلا ہو گئے۔ اور خود مسیحؑ کی عبادت کرنے لگے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیّہ و انفاس طیّبہ سے صدیوں کے مُردے یکدفعہ زندہ ہو گئے اور دنیا نے ایک بے نظیر انقلاب دیکھا۔ وہ جزیرۂ عرب جو بُت پرستی کے سوا کچھ نہ جانتا تھا وہ تھوڑے ہی دنوں میں ایک سمندر کی طرح توحید الٰہی سے بھر گیا۔ اور آپؐ نے اپنی اُمت کو ایسے رنگ میں توحید الٰہی کا سبق پڑھایا کہ وہ اُسے کبھی فراموش نہ کرسکی اور شب و روز مساجد کے بلند میناروں سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اعلان کرتی رہی۔

الغرض اللہ تعالیٰ کے کامل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جس قسم کا احیاءِ عرب میں رونما ہوُا اس کی نظیر دنیا کی کسی قوم اور ملک میں نہیں پائی گئی حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں :۔

"آپ جس قوم میں مبعوث ہوئے اُسپر ایسی تباہی و بربادی آئی ہوئی تھی جس کی نظیر دنیا میں بہت ہی کم پائی جاتی ہے۔ مگر پھر خدا تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ ہی آپ کے ہاتھ پر اس مُردہ قوم کو زندہ کردیا اور اُسے دنیا کا فاتح اور حکمران بنا دیا۔ عجیب بات یہ ہے۔

کہ اور بیمار تندرست ہونا چاہتے ہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علاج کے لئے جو بیمار ملا وہ ایسا تھا جو اپنی زندگی کا خواہاں نہیں تھا بلکہ چاہتا تھا کہ مر جائے۔ اور اس کا وجود دنیا سے مٹ جائے۔ مگر پھر وہی بیمار جو مرنا چاہتا تھا جو زندگی کا ملنا ناممکن سمجھتا تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے اچھا ہوا۔ زندہ ہوا۔ اور اُس نے دنیا کے اور ہزاروں لاکھوں لوگوں کو زندہ کر دیا۔ مکّہ کے لوگ جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی معمولی تاجر تھے۔ نہ ان کو حکومت حاصل تھی۔ نہ اُن میں کوئی نظام موجود تھا۔ نہ انہیں کوئی عزّت اور شہرت حاصل تھی۔ انتہائی کس مپرسی کی حالت میں ایک گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے۔ مگر دیکھو وہ لوگ آپ کے ذریعہ سے کس طرح زندہ ہو کر دُنیا میں پھیل گئے۔ جس طرح چیل جھپٹا مار کر اپنے شکار کو قابو میں کر لیتی ہے۔ اسی طرح وہ دیوانہ وار دنیا میں نکلے اور بڑی بڑی حکومتوں کو انہوں نے تہ و بالا کر دیا۔ اہل عرب کی حیثیت اسقدر معمولی تھی کہ ہمسایہ حکومتوں کے ادنیٰ ادنیٰ تحصیلدار بھی اُن کو ڈانٹ ڈپٹ کر دیا کرتے تھے۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آنے کے بعد اُن کی طاقت کا یہ حال ہو گیا کہ وہ بڑی بڑی حکومتوں کے ساتھ ٹکرانے لگے۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں ان کے مقابلہ میں پاش پاش ہو گئیں اور بڑے بڑے بادشاہ گردن جھکائے اور ہتھیار ڈالے اُن کے سامنے حاضر ہوئے۔ یہ نمونہ تھا اس احیاء کا جو اللہ تعالیٰ نے



رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا۔"[1]

## ٣٢- تَرَكُوا الْغَبُوْقَ وَبَدَّلُوْا مِنْ ذَوْقِهٖ ذَوْقَ الدُّعَاءِ بِلَيْلَةِ الْاَحْزَانِ

**معانی الالفاظ** الغبوق وہ شراب جو اہل عرب پچھلے پہر شام کے قریب پیتے تھے۔ اسکے مقابلہ میں صَبُوْح ہے جو صبح کے وقت پیتے تھے۔ الاحزان۔ حَزَن اور حُزْن کی جمع ہے۔ ہمّ و غم۔

**ترجمہ**۔ انہوں نے شام کی شراب ترک کر دی اور اس کی لذت کے بدلے انہوں نے غم کی راتوں میں دُعا کی لذت اختیار کر لی۔

**شرح**۔ کتنا عظیم الشان انقلاب ہے۔ یا تو وہ وقت تھا کہ وہ اپنی راتیں راگ و رنگ، لہو و لعب اور اکل و شرب میں گذارتے تھے یا یہ حالت ہو گئی کہ وہ شبہائے تاریک و تار میں اپنے معبود کے حضور سجدہ ریز ہو کر سوز و گداز سے دُعاؤں کا لطف اُٹھانے لگے۔ سُبحان اللہ! کیسا نعم البدل اختیار کیا!

عرب میں شراب پینے کے پانچ وقت مقرر تھے جن میں مہمانوں وغیرہ کو بھی شراب پیش کی جاتی تھی۔ جاشریہ اس شراب کو کہتے تھے جو صبح قبل طلوع آفتاب پی جاتی تھی۔ اور صَبُوح جو بعد طلوع آفتاب پیتے تھے دوپہر کے وقت کی شراب کو قَیْل کہتے تھے۔ جو پچھلے پہر شام کے قریب پیتے

[1] تفسیر کبیر جلد ششم جزو سوم ص٣٩٥۔

اس کا نام غبوق تھا - اور رات کے وقت شراب پینا فحمہ کہلاتا تھا۔ ؎
اسلام نے ظہور فرما کر پانچوں وقت شراب نوشی کی بجائے پانچ نمازیں
مقرر کردیں اور ہر ایک بدی کی جگہ نیکی رکھدی

٣٣- كَانُوا بِرَنَّاتِ الْمَثَانِي قَبْلَهَا
قَدْ أُحْصِرُوا فِي شُحِّهَا كَالْعَانِ

**معانی الالفاظ** الرَّنَّات - رَنَّة کی جمع ہے اور رنین ایسی آواز کو کہتے ہیں جس میں سوز وغم پایا جائے۔ المثانی مثنی کی جمع ہے - عود یا سرنگی کی پہلی تار کے بعد کی دوسری تاریں۔ اُحْصِرُوا احصرہ عن السفر کے معنے ہیں اُسے سفر سے روک دیا - شح - حرص وبخل - العان - مطیع وذلیل قیدی - اس کی جمع عُناۃ ہے اور مؤنث عانیۃ کی جمع عانیات اور عوان ہے -

**ترجمہ** ۰ اس سے پہلے وہ سرنگیوں اور دو تاروں کی سروں اور نغموں اور رون رون کی آواز کی حرص میں ذلیل ومطیع قیدی کی طرح تھے

---

؎ لسان العرب میں لکھا ہے - فحمۃ اللیل رات کے پہلے حصہ کو اور بعض کے نزدیک پہلے حصے میں جو سخت اندھیرا ہوتا ہے اُسے اور بعض سورج کے غروب ہونے سے لیکر سونے کے وقت تک کو فحمہ کہتے ہیں اور ان اوقات میں شراب پینے کو بھی فحمہ کہا جاتا مگر شراب کا نام فحمہ نہیں تھا جیسے جاشریہ - صبوح - غبوق اور قیل شراب کے نام ہیں - منہ



٣٤- قَدْ كَانَ مَرْتَعُهُمْ أَغَانِي دَائِمًا
طَوْرًا بِغِيدٍ تَارَةً بِدِنَانٍ

**معانی الالفاظ** مرتع - ہر وہ خوشحال جگہ جس میں اس کے مناسب حال ضروری سامان موجود ہو - موضع الرتع - چراگاہ - رتع خوشحالی کے بہ افراط ہونے اور فارغ البالی کی زندگی کو کہتے ہیں - اغانی - اُغنیۃ (یاء کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ) کی جمع ہے - راگ جو گایا جائے اور ترنم کے ساتھ پڑھا جائے - طورا - کبھی کہتے ہیں اتیتہ طورا بعد طور ای تارۃ بعد تارۃ - غید - اغید اور غیداء کی جمع ہے - نازک اندام .

**ترجمہ** - انکی محفلیں اور مجلسیں ہمیشہ راگ ورنگ تھیں کبھی تو نازک اندام نازنینوں کے ساتھ دل لگی اور کبھی مے کے خم لنڈھائے جاتے -

٣٥ مَا كَانَ فِكْرٌ غَيْرَ فِكْرِ غَوَانِي
أَوْ شُرْبِ رَاحٍ أَوْ خَيَالِ جِفَانٍ

**معانی الالفاظ** غوانی - غانیۃ کی جمع ہے - وہ عورت جو اپنے ذاتی حسن وجمال کی وجہ سے آرائش زینت سے بے پرواہ ہو - متنبی کہتا ہے ؎

حسن الحضارۃ مجلوب بتطریۃ    وفی البداوۃ حسن غیر مجلوب

یعنی شہریوں کا حسن تو بال سنوارنے اور سنگار کا رہین منت ہے اور بدویوں کا حسن

قدرتی اور طبعی ہوتا ہے۔ راح - شراب - جِفان - جفنۃ کی جمع ہے۔ بڑے پیالے

**ترجمہ** - انہیں خوبصورت گانے والی عورتوں یا شراب نوشی اور کاسہ ہائے شراب کے تصور کے سوا اور کوئی فکر نہ تھی۔

**شرح** - مذکورہ بالا تینوں شعروں میں انہی تینوں برائیوں کا مختلف پیرایوں میں ذکر کیا ہے جن کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

۳۶- كَانُوا كَمَشْغُوفِ الْفَسَادِ بِجَهْلِهِمْ
رَاضِيْنَ بِالْاَوْسَاخِ وَالْاَدْرَانِ

**معانی الالفاظ** اوساخ - وسخ کی جمع ہے - ادران - درن کی جمع ہے - میل کچیل۔

**ترجمہ** - وہ بیوقوفی اور جہالت سے فساد کے شیفتہ تھے اور میل کچیل اور ناپاکی پر خوش تھے۔

۳۷- عَيْبَانِ كَانَ شِعَارَهُمْ مِنْ جَهْلِهِمْ
حُمْقُ الْحِمَارِ وَوَثْبَةُ السِّرْحَانِ

**معانی الالفاظ** شعار: سر اللیل "واچ ورڈ" کو کہتے ہیں۔ یعنی وہ کلمہ جس کے ساتھ دوست اور دشمن کی تمیز کی جاتی ہے۔ جنگ یا سفر میں کوئی علامت جو مقرر کر لی جائے۔ جسم کے ساتھ لگے ہوئے لباس کو بھی کہتے ہیں۔ اس کے مقابل کا لفظ دِثار ہے۔ اوپر کا کپڑا۔



انہی معنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - الانصار شعاری والناس دثاری - حمق : کم عقلی - السرحان: بھیڑیا یا شیر - اسکی جمع سِراح اور سراحین ہے

**ترجمہ** - جہالت سے دو عیب اُن کے شامل حال تھے - اُڑ گدھے کی اور حملہ بھیڑیے کا۔

**شرح** - آخری دو شعروں میں آپ نے عرب قوم کی بعض تمدنی برائیوں کے اسباب و علل کا ذکر فرمایا ہے - مولانا الطاف حسین حالی مرحوم نے ان برائیوں کا ذکر مسدس میں یوں کیا ہے ؎

چلن اُن کے جتنے تھے سب وحشیانہ — ہر اک لُوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا اُن کا زمانہ — نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اَڑ بیٹھتے تھے — سُلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے — تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے

بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا
تو اُس سے بھڑک اُٹھتا تھا ملک سارا

وہ بکرؔ اور تغلبؔ کی باہم لڑائی — صدی جس میں آدھی انہوں نے گنوائی

ا‍ے بکرؔ اور تغلبؔ عرب کے دو قبیلوں کا نام ہے۔ جنکے درمیان یہ لڑائی ہوئی تھی۔ اور اس جنگ کو حرب بسوس اس لئے کہتے تھے کہ بکر خاندان کی ایک عورت کے ہاں جسکا نام بسوس تھا ایک مہمان آیا - اس مہمان کی اونٹنی چرتی ہوئی کلیب کی چراگاہ میں جو خاندان بنی تغلب سے تھا چلی گئی اور کلیب نے اسکے تھنوں کو تیر سے زخم کر دیا۔ یہ بات بنی بکر کو ناگوار خاطر ہوئی اور اُن میں سے ایک شخص مہلہل نے کلیب کو برچھے سے مار ڈالا - اس سے دونوں قبیلوں میں جنگ چھڑ گئی جو عرصہ تک قائم رہی۔

قبیلوں کی کردی تھی جس نے صفائی　　تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی

نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ
کرشمہ اِک اُن کی جہالت کا تھا وہ

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا　　کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لب جُو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا　　کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا

یونہی روز ہوتی تھی تکرار اُن میں
یونہی چلتی رہتی تھی تلوار اُن میں

جوا اُن کی دن رات کی دل لگی تھی　　شراب اُن کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیش تھا غفلت تھی دیوانگی تھی　　غرض ہر طرح اُن کی حالت بُری تھی

بہت اِس طرح اُن کو گذری تھیں صدیاں
کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھیں بدیاں!

۳۸- فَطَلَعْتَ يَا شَمْسَ الْهُدٰى نُصْحًا لَّهُمْ
لِتُضِيْئَهُمْ مِنْ وَّجْهِكَ النُّوْرَانِيْ

۳۹- أُرْسِلْتَ مِنْ رَّبٍّ كَرِيْمٍ مُّحْسِنٍ
فِي الْفِتْنَةِ الصَّمَّاءِ وَالطُّغْيَانِ

**ترجمہ**- اِتنے میں اے آفتاب ہدایت! تو اُن کی خیر خواہی کے لئے طلوع ہوا تا اپنے نُورانی چہرہ سے انہیں منور کر دے- تو خدائے کریم و محسن کی طرف سے



سخت خوفناک فتنے اور طغیانی کے وقت مبعوث کیا گیا۔

**شرح**- اِن دو شعروں میں اس انقلابِ عظیم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو ایک اکھڑ اور اُجڈ ننگِ انسانیت قوم میں خدا تعالیٰ کے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے رونما ہوا- یہاں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اس تقریر کا درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے قریش کے اس وفد کی موجودگی میں جس نے نجاشی شاہ حبشہ سے اُن مسلم مہاجرین کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا جنہوں نے قریش کے مظالم سے تنگ آکر حبشہ میں پناہ لی تھی۔ آپ نے شاہ نجاشی کے دریافت کرنے پر نہایت رقت انگیز پیرایہ میں فرمایا:-

"اے بادشاہ! ہمارا یہ حال ہے کہ ہم جہالت اور گمراہی کے گڑھے میں گرے ہوئے تھے- ہم بُتوں کی پُوجا کرتے تھے- گندی فحش باتیں بکتے تھے- مُردار کھایا کرتے تھے- ہم میں کوئی انسانیت کی خوبی نہ تھی خداوند تعالیٰ نے جس کا فضل عام جہان پر چھایا ہوا ہے محمدؐ کو اُس پر اللہ کی رحمت اور عنایت ہو ہمارے لئے رسول کرکے بھیجا- اس کی شرافتِ نسب اور راستگفتاری، صفا باطنی اور دیانتداری سے ہم خوب آگاہ ہیں- اُس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی ظاہر فرمائی اور وہ اللہ کا یہ پیغام لیکر ہمارے پاس آیا کہ صرف ایک خدا پر ایمان رکھو- اس کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک مت کرو- اور بُتوں کی پرستش مت کرو- راست گفتاری اپنا شعار ٹھہراؤ- امانت میں کبھی خیانت نہ کرو- اپنے تمام ابنائے جنس سے ہمدردی رکھو

پڑوسیوں کے حقوق کی نگہداشت کرو۔ عورت ذات کی عزّت کرو۔ یتیموں کا مال نہ کھاؤ۔ پاکیزگی اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کرو۔ خدا کی عبادت کرو۔ اُس کی یاد میں کھانا پینا تک بھول جاؤ۔ راہ خدا میں غریبوں کی مدد کے لئے خیرات کرو۔

اے بادشاہ! صرف اس ایمان لانے پر ہمیں وہ ایذائیں دی گئیں کہ ہمیں جلاوطن ہونا اور راہِ غربت اختیار کرنا پڑا ہے۔ ہمیں اپنے دیس میں کہیں پناہ نہ ملی۔ تیرے انصاف اور رحم سے ہمیں اُمید ہے کہ تُو غریبوں پر ظلم نہ ہونے دیگا۔"

(سوانحعمری حضرت محمدؐ صاحب مؤلفہ پرکاش دیوجی)

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس تقریر میں عرب کی قبل از اسلام حالت اور انقلاب پیدا کرنے والی اسلامی تعلیم کا مختصر ذکر کر دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس عظیم الشان انقلاب کا جو عرب قوم میں ایک نہایت قلیل عرصہ میں پیدا ہُوا سورۃ فرقان کے آخری رکوع میں یوں ذکر فرمایا ہے:۔

" وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا۔"

یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رحمانیت کے ماتحت اپنے رسول کے ذریعہ تیار کئے ہیں۔ اُن میں متکبرانہ روش کی جگہ تواضع اور انکساری آگئی ہے پہلے تو وہ نشہ میں مدہوش ہو کر تبختر انہ انداز میں چلنے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ جیسے سموآل بن عادیا کہتا ہے۔ ؎



اذا ما اصطبحت اربعا خطّ میزری

یعنی جب مَیں صبح کو شراب کے چار گلاس پی لیتا ہوں تو مَیں نہایت متکبرانہ انداز میں چلتا ہوں۔ اور میرا تہ بند زمین پر لکیر کھینچتا جاتا ہے۔

لیکن اب اُن کی یہ حالت ہے کہ وہ زمین پر نہایت سکینت اور وقار کے ساتھ چلتے ہیں اور وہ پہلی سی پھُوں پھُوں اور تکبّر ان میں نہیں رہا۔ اور وہ لوگوں سے لطف اور نرمی سے پیش آتے ہیں۔ اسلام سے پہلے وہ جہالت یعنی لڑائی اور جنگ پر فخر کرتے تھے۔ جیسے کہ عمرو بن کلثوم تغلبی کہتا ہے ؎

الا لا یجھلن احد علینا فنجھل فوق جھل الجاھلینا

خبردار کوئی ہم پر جہالت نہ کرے۔ یعنی ہم سے نہ اُلجھے ورنہ ہم جاہلوں کی جہالت سے بڑھ کر جہالت کا مظاہرہ کریں گے۔

لیکن عباد الرحمٰن کے گروہ میں داخل ہونے کے بعد وہ جہالت کا جواب سلام سے دیتے ہیں۔

" وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا۔"

کہ جب انہیں جاہل یعنی لڑائی پر اُکسانے والے یا موجب غضب و اشتعال حرکات کرنے والے خطاب کرتے ہیں تو وہ جواباً کہتے ہیں کہ ہم تو صلح و سلامتی اور امن کے خواہاں ہیں اور کسی حالت میں بھی شر پسند نہیں کرتے۔

پھر فرمایا کہ وہ لوگ جو زمانۂ جاہلیت میں مے نوشی۔ قمار بازی۔ عورتوں سے معاشقہ، رقص و غنا اور لہو و لعب میں اپنی راتیں گذارتے تھے اب انہوں نے معائب سے کنارا ہی نہیں کیا بلکہ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا۔

یعنی وہ اپنی راتیں عبادت الٰہی اور اپنے مولا کے حضور قیام اور سجود میں گذارتے ہیں۔ اور ایک دوسری آیت میں فرمایا:۔

"تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا۔"

کہ اُنکے پہلو اپنے بستروں سے الگ ہوتے ہیں۔ اور وہ اپنے رب کے حضور گڑگڑاتے اور دُعائیں کرتے ہیں۔

جاہلیت میں انہیں آخرت کا کوئی خیال نہ تھا۔ اُن کا مقولہ تھا۔ کھاؤ پیئو اور عیش اُڑاؤ کل تو مرہی جانا ہے۔ یا پنجابی مثل "ایہہ جہان مِٹھا تے اگلا کِن ڈِٹھا۔" کے مطابق اپنی زندگی گذارتے تھے۔ اِس لئے اُنکے نزدیک گناہ کوئی قابلِ سزا چیز ہی نہ تھی۔ لیکن اسلام لانے کے بعد اُن کی حالت یہ ہو گئی کہ وہ اپنے رب سے دُعا کرتے ہیں۔ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ۔ اے ہمارے رب ہمیں جہنم کے عذاب سے بچانا۔ گویا اب انہیں ہر وقت آخرت کا خیال رہتا ہے۔

جاہلیت میں تو وہ رسم و رواج، راگ و رنگ، نام و نمود اور عیاشی و بدقماشی میں مال برباد کرنے میں تو اَنَا وَ لَا غَيْرِىْ کا دم بھرتے تھے۔ لیکن غریبوں اور مسکینوں، بیواؤں اور یتیموں پر خرچ کرنے سے مرتے تھے۔ یہی تھے جو اسلام کے بعد لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا کہ نہ وہ بے جا خرچ کرتے ہیں اور نہ ہی نیکی کے کاموں میں بُخل سے کام لیتے ہیں۔ اَب اُن کا انفاقِ مال دونوں حالتوں کے درمیان حدِّ اعتدال پر ہے۔



زمانۂ جاہلیت میں سارا جزیرۂ عرب بُت پرستی و بدمستی و دغا و فریب اور قتل و غارت وغیرہ کے بحرِ زخّار میں از سرتا پا غرق تھا۔ بُت پرستی کی یہ حالت تھی کہ ہر قبیلہ کا ایک علیحدہ بت تھا۔ ٣٦٠ بت تو خانۂ کعبہ میں نصب تھے اور قریش بُت پرستی کو اپنی زندگی اور موت کا سوال سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا۔ اگر ہم اسلام کو قبول کریں اور بُت پرستی چھوڑ دیں تو پھر ہمارا زمین میں کوئی ٹھکانا ہی نہیں۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بُت پرستی سرزمین عرب سے ایسی نابود ہوئی کہ چودہ سو سال کے لمبے عرصے میں پھر کبھی رونما نہیں ہو سکی۔ اور توحید الٰہی ان کے رگ و ریشہ میں ایسی سرایت کر گئی کہ انہوں نے دین کی اشاعت کے لئے ہر قسم کے مظالم اور مصائب برداشت کئے۔ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشرکوں نے ایک موقعہ پر قید کر لیا تھا۔ جب اُن کے قتل کئے جانے کا مقررہ وقت آ گیا۔ اور انہوں نے اپنا سر قتل کے لئے جلّاد کے سامنے رکھدیا۔ تو جلّاد کے تلوار چلانے سے پہلے انہوں نے یہ اشعار پڑھے ؎

وَلَسْتُ اُبَالِىْ حِيْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰى اَىِّ جَنْبٍ كَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِىْ
وَذٰلِكَ فِىْ ذَاتِ الْاِلٰهِ وَاِنْ يَّشَاْ
يُبَارِكْ عَلٰى اَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعٖ

جبکہ میں مُسلم ہونے کی حالت میں قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے اس امر

کی کچھ پرواہ نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی خاطر قتل کے وقت کس پہلو پر گرتا ہوں اور یہ میرا قتل ہونا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ہے اگر وہ چاہے تو میرے پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکت نازل فرمائیگا۔

حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آخری شعر کو ختم کرنا تھا کہ جلّاد کی تلوار اُن کی گردن پر پڑی اور سر تن سے جُدا ہو گیا۔ یہ بڑا ہی دردناک و دلگداز منظر تھا۔ جو لوگ اس واقعہ کو دیکھنے کے لئے جمع ہوئے تھے اُن میں سے ایک سعید بن عامر بھی تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ جب کبھی اُن کے سامنے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا ذکر ہوتا تو اُن پر غش آجایا کرتا تھا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے والے تو مِٹ گئے۔ اُن کا کوئی نام و نشان نہ رہا لیکن حضرت خبیبؓ ہمیشہ کے لئے زندہ ہیں ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را — ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

پھر جاہلیت میں وہ رہزن اور قزاق تھے۔ معمولی معمولی باتوں پر اُن میں جنگ چھڑ جاتی جو مہینوں اور سالوں تک جاری رہتی لیکن اسلام اختیار کرنے کے بعد اُن کی یہ حالت ہو گئی لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ کہ وہ کسی ایسے نفس کو جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے اس شریعت میں جائز قرار نہیں دیا قتل نہیں کرتے۔ پہلے اُن کے نزدیک زنا، بدکاری وغیرہ باعث فخر تھے لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد وہ زنا کے قریب بھی نہیں جاتے۔



مرثد الغنویؓ ایک مضبوط جوان مرد تھے۔ مکّہ سے مسلمان قیدی چھڑا کر مدینہ لے جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوُا کہ جب انہوں نے ایک قیدی کو آواز دی تو مکّہ کی ایک کنچنی جس کا نام عناق تھا اور مرثدؓ کی دوست رہ چکی تھی اُدھر آنکلی۔ مرثد کو دیکھکر اُسے اھلاً و مرحبًا کہا اور بصد اصرار کہا کہ آج رات میرے پاس گذارو۔ مرثد نے اُسے جواب دیا۔ اے عناق! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا حرام کر دیا ہے۔ جب اُس نے دیکھا کہ مرثد انکار پر مصر ہے تو اُس نے شور مچا دیا اور کہا لوگو یہ ہے وہ شخص جو تمہارے قیدی چُرا کر لے جاتا ہے۔ مرثد وہاں سے بھاگ کر خندمہ پہاڑ کی ایک غار میں چھپ گئے۔ آٹھ شخص آپ کی تلاش میں نکلے اور وہ اس غار کے پاس پہنچے اور بعض نے اُن میں سے وہاں پیشاب کیا جو مرثد پر گرا لیکن وہ اُسے دیکھ نہ سکے اور واپس چلے گئے۔ بعد میں مرثد دوبارہ اُس قیدی کے پاس گیا اور اُسے اپنے ساتھ مدینہ لے آیا۔

یہ واقعہ "لَا یزنون" کی ایک زبردست شہادت ہے۔ ایک عورت جو کنچنی ہے اور اسلام سے پہلے اُس کی یار غار رہ چکی تھی، وہ اپنے پاس شب باشی کے لئے بلاتی ہے اور وہ اپنی جان کو خطرے میں دیکھتے ہوئے بھی انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا حرام کر دیا ہے۔ اس لئے اب میں اسکے قریب نہیں جا سکتا[1] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَ

[1] نسائی جلد ۲ کتاب النکاح۔

اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا - وہ لوگ جنکی یہ حالت تھی کہ جھوٹ اور سچ میں کوئی تمیز نہیں کرتے تھے اب وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور نہ ہی جھوٹے معاہدات کرتے ہیں۔ اور جب لوگ لغو کاموں میں مشغول ہوں تو وہ اُن کے ساتھ شامل نہیں ہوتے۔

پھر فرمایا کہ وہ لوگ جو پہلے نہ حق بات سُنتے تھے نہ اُسے سمجھنے کی کوشش کرتے تھے اب اُن کی یہ حالت ہے۔ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا۔ کہ جب انہیں اُن کے رب کی آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ خوب غور و فکر سے اُن پر عمل کرتے ہیں بہروں اور اندھوں کی طرح اُن پر نہیں گرتے۔

جاہلیت میں وہ ناپاکی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ روحانیت کا نام و نشان نہ تھا لیکن اب وہ پاکیزگی، روحانیت، تقوٰی، پرہیزگاری اور طہارت کے ایسے عاشق ہیں کہ کہتے رہتے ہیں۔ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔ یعنی اے ہمارے رب! تو ہماری بیویوں اور ہماری اولادوں کو روحانیت کے سانچے میں ایسا ڈھال کہ وہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کا موجب ہوں اور ہمیں متقیوں کا امام اور پیشوا بنا۔ اس آیت میں اُنکے روحانی کمال کا ذکر کیا ہے کہ اُن کی زندگی تقوٰی اور روحانیت کے ایسے اعلیٰ مقام پر پہنچ چکی ہے کہ غیر متقی کی صحبت اُن کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے چاہتے ہیں کہ اُن کے ساتھی، اُن کے رشتہ دار



اور تعلق و قرابت والے سب متقی اور پاک ہوں۔

اس انقلاب نے اُن کے ذہنوں کے تصورات اور نگاہوں کے زاویے اور فکر و نظر کے اسلوب یکسر بدل دیئے۔ اُن کی صدیوں سے مری ہوئی قوتیں زندہ ہو گئیں۔ اور ایک عالم کی زندگی کا باعث بنیں۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مندرجہ ذیل شعروں میں اسی غیر معمولی اور بے نظیر انقلاب کا ذکر فرمایا ہے ؎

کہتے ہیں یورپ کے ناداں یہ نبی کامل نہیں ۔۔۔ وحشیوں میں دین کو پھیلانا یہ کیا مشکل تھا کار

پر بنانا آدمی وحشی کو ہے اک معجزہ ۔۔۔ معنئ رازِ نبوت ہے اسی سے آشکار

نور لائے آسماں سے خود بھی وہ اک نور تھے ۔۔۔ قوم وحشی میں اگر پیدا ہوئے کیا جائے عار

روشنی میں مہرِ تاباں کی بھلا کیا فرق ہو
گرچہ نکلے روم کی سرحد سے یا از زنجبار

۴۰۔ يَا لَلْفَتٰى مَا حُسْنُهٗ وَجَمَالُهٗ
رَيَّاهُ يُصْبِي الْقَلْبَ كَالرَّيْحَانِ

**معانی الالفاظ** الرَّيّ۔ راء کی زبر سے حسین و جمیل منظر۔ راء کی زیر سے خوشبو۔ يُصْبِي۔ اَصْبٰی سے مضارع کا صیغہ ہے۔ اَصْبَى الشَّيْءُ فُلَانًا اس چیز نے فلاں کو اپنا مشتاق اور فریفتہ بنا لیا۔ الرَّيْحَان ہر خوشبو رکھنے والا پودہ۔

**ترجمہ**۔ واہ کیسا خوبصورت اور صاحب جمال مرد ہے۔ جس کی خوشبو دل کو ریحان کی طرح شیفتہ کر دیتی ہے۔

۴۱۔ وَجْهُ الْمُهَيْمِنِ ظَاهِرٌ فِيْ وَجْهِهٖ
وَشُئُوْنُهٗ لَمَعَتْ بِهٰذَا الشَّانٖ

**معانی الالفاظ** وجه ۔ عربی زبان میں اس کے بہت سے معانی ہیں چہرہ ۔ قصد اور نیت ۔ عمل جو انسانی توجہ کا مقصود ہو۔ رضا اور پسندیدگی وغیرہ ۔ شئون ۔ شأن کی جمع ہے ۔ کوئی عظیم الشان امر یا حالت ۔ کہا جاتا ہے ۔ من شأنه كذا او ان يفعل كذا ۔ یعنی اس کی طبیعت یا خلق ایسا ہے یا اس کی عادت ہے کہ ایسا کرے ۔

**ترجمہ** ۔ اُس کے چہرہ میں خدا کا چہرہ نظر آتا ہے اور اُس کے تمام احوال اور امور اسی شان کے ساتھ چمکتے ہیں ۔

**شرح** ۔ پہلے مصرعہ کے معنے لُغت کے لحاظ سے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اُس کی رضا میں اللہ تعالیٰ کی رضا ظاہر ہے اور اس کی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات کی مظہر ہے ۔ اور اس کے تمام عظیم الشان کاموں میں یہی شان دکھائی دیتی ہے ۔

اس شعر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور فضیلت کا ذکر فرمایا ہے ۔ کہ آپ اللہ تعالیٰ کی ذات کے کامل مظہر ہیں ۔ انبیائے سابقین اور صالحین علیٰ قدر المراتب مظہر صفاتِ الٰہیہ بنے لیکن اُن میں سے کوئی اس کی صفات کا کامل مظہر نہ ہوا ۔ کامل مظہر صرف آپ ہی تھے ۔ سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی چار عظیم الشان صفات کا ذکر ہے ۔



مالکیت ۔ رحیمیت ۔ رحمانیت اور ربّ العالمین ہونا ۔ ظاہر ہے کہ آپ سے پہلے جسقدر انبیاء آئے وہ خاص خاص قوم یا علاقے کے لئے مبعوث ہوئے تھے ۔ وہ ان چاروں صفات کے مظہر بنے لیکن نہ کامل طور پر بلکہ جزوی لحاظ سے ۔ مثلاً وہ صفت ربوبیت کے مظہر تھے لیکن صفت ربّ العٰلمین کے مظہر نہ تھے ۔ کیونکہ وہ تمام قوموں کے لئے مبعوث نہ ہوئے تھے ۔ اُن کی بعثت کا زمانہ بھی محدود تھا ۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام قوموں اور تمام آئندہ آنے والے زمانوں کے لئے مبعوث ہوئے ۔ اِس لئے آپ ہی صفت ربّ العالمین کے کامل مظہر ہوئے ۔ یہی صورت بقیہ صفات کی ہے ۔ مثلاً صفت رحمانیت کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں سورج ، چاند ، ہوا ، آسمان و زمین وغیرہ پیدا کی ہیں وہ ایسی ہیں جن سے سب کافر و مومن یکساں مستفید ہوتے ہیں ۔ اِسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برخلاف پہلے انبیاء کے تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوئے اور آپ کی روشنی اور آپ کا نور سورج کے نور کی طرح کسی خاص قوم تک محدود اور آپ کا فیض کسی جہت اور مکان و زمان سے مخصوص نہیں بلکہ تمام لوگوں کے لئے عام علیٰ سبیل الدوام جاری ہے اور کبھی منقطع نہ ہو گا ۔ اُن کے لئے بھی جو اہل کتاب تھے اور اُن کے لئے بھی جن کے پاس کوئی کتاب نہ تھی لیکن آپ سے پہلے جسقدر نبی آئے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے کامل مظہر نہ ہوئے ۔ اِسی لئے مسیح علیہ السلام نے صرف بنی اسرائیل سے خطاب کیا اور فرمایا کہ مَیں اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے مبعوث ہُوا ہوں

دوسری قومیں جو اس وقت فلسطین میں موجود تھیں اُن کو ان کی حالت کے لحاظ
سے سؤر اور کُتے تو قرار دیا لیکن تبلیغ نہیں کی۔ اسی طرح حضرت موسیٰ
علیہ السلام نے بھی اپنا دائرۂ تبلیغ بنی اسرائیل تک محدود رکھا۔ لیکن
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قوم اور ہر ملک کے لوگوں کو تبلیغ کی
قیصر روم کو بھی دعوت دی، کسریٰ کو بھی، مصر اور دیگر ممالک کے
بادشاہوں کو بھی تبلیغی خطوط لکھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ شان عطا
فرمائی تھی کہ ؎

آفتابِ ہر زمین و ہر زماں　　رہبرِ ہر اسود و ہر احمرے

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کے صرف آپ ہی مظہر بنے۔ مصنف قصیدہ
حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

زاں نمط شد محو دلبر کز کمالِ اتحاد　　پیکرِ او شد سراسر صورتِ ربِّ رحیم
بوئے محبوبِ حقیقی میدمد زاں روئے پاک　　ذاتِ حقانی صفاتش مظہرِ ذاتِ قدیم

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دلبر (اللہ تعالیٰ) میں اس طرح محو ہو گئے
کہ کمال اتحاد کی وجہ سے آپ کی صورت بالکل ربّ رحیم کی صورت بن گئی۔
آپ کے روئے پاک سے محبوب حقیقی کی مہک آرہی ہے۔ آپ کی ذات
حقانی صفات ذاتِ قدیم (اللہ تعالیٰ) کا مظہر بن گئی۔

فَلِذَا يُحَبُّ وَيَسْتَحِقُّ جَمَالُهُ
۴۲۔ شَغَفًا بِهِ مِنْ زُمْرَةِ الْأَخْدَانِ



**معانی الالفاظ** ۔ الشغف: اقصی الحب۔ انتہائی محبت۔ اخدان۔ خدن
کی جمع ہے۔ صالح دوست۔ زمرۃ۔ گروہ۔ جماعت۔ اس کی جمع زُمَرٌ ہے۔

**ترجمہ** ۔ اسی لئے وہ محبوب ہے اور اُس کا جمال اس لائق ہے کہ
دوستوں کی جماعت کو چھوڑ کر اس سے دلبستگی پیدا کر لی جائے۔

**شرح** :۔ آپ فرماتے ہیں۔ جب کہ میرا محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اللہ تعالیٰ کی ذات کا مظہر کامل ہے تو اس کامل وجود کو چھوڑ کر کوئی دوسرا
محبوب کیوں بنایا جائے۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے دوسری شادی کا ارادہ
کیا۔ اس کی بیوی نے قاضی سے درخواست کی کہ اُسے دوسری شادی کی اجازت
نہ دی جائے۔ تاریخ پیشی پر جب اسکی بیوی سے دلیل طلب کی گئی تو اس
نے اپنے چہرہ سے نقاب اٹھا دی اور کہا کہ ایسی خوبصورت اور حسین عورت کے
ہوتے ہوئے اُسے دوسری شادی کی اجازت قطعاً نہ ملنی چاہیئے۔ ایک صوفی
صاحب بھی اُس مجلس میں موجود تھے۔ ان کو یہ سنکر غش آگیا۔ حاضرین میں
سے کسی نے طنزاً کہا۔ تو ان کے تصوّف کی حقیقت بھی آشکار ہو گئی ایک
عورت کے حسن کی تاب نہ لا کر غش کھا گئے۔ صوفی صاحب نے ہوش میں آکر
کہا کہ مجھے تو ایک عورت کے حسن سے اللہ تعالیٰ کے حسن کا جلوہ نظر آگیا
جب ایک حسین عورت کو اپنے حسن پر اتنا ناز ہے کہ وہ اپنا شریک برداشت
کرنے کے لئے تیار نہیں تو اللہ تعالیٰ جو تمام حسینوں سے بڑھ کر حسین اور
مخزن و مصدر جمال و رعنائی ہے اپنے لئے شریک کیونکر گوارا کر سکتا ہے اور
اُس کی غیرت کس طور پر برداشت کر سکتی ہے کہ اُس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے

پس آپ فرماتے ہیں کہ جب میرا محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام بنی آدم میں سب سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ جمیل اور خوبصورت ہے۔ تو پھر دوسروں کو چھوڑ کر اُسی سے محبت کیوں نہ کی جائے۔

۴۳۔ سُجُحٌ کَرِیْمٌ بَاذِلٌ خِلٌّ التُّقیٰ
خِرْقٌ وَفَاقَ طَوَائِفَ الْفِتْیَانِ

**معانی الالفاظ** سَجُحٌ۔ نرم مزاج۔ سہل الوصول۔ خوش خلق۔ باذل۔ خرچ کرنیوالا۔ سخاوت کرنے والا۔ خِلٌّ۔ دوست۔ خِرْقٌ۔ سخی۔ کریم۔ اس کی جمع اَخراق و خِراق ہے۔ طوائف۔ گروہ۔ طائفۃ کی جمع ہے۔

**ترجمہ**۔ خوش خلق۔ معزز۔ صاحب جود و عطا۔ تقویٰ دوست کریم و سخی ہے۔ اور سب جوانوں پر فائق ہے۔

**شرح**۔ اس شعر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند اور خوبیوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعریف میں فرمایا ہے:۔

"اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ" (سورۃ القلم)

کہ آپ اخلاق کے انتہائی کمال سے متصف ہیں۔

۴۴ فَاقَ الْوَرٰی بِکَمَالِہٖ وَجَمَالِہٖ
وَجَلَالِہٖ وَجَنَانِہِ الرَّیَّانِ

**معانی الالفاظ**۔ الریّان: عطشان یعنی پیاسے کی ضد ہے۔ سیراب و شاداب



**ترجمہ**۔ وہ سب مخلوقات سے اپنے کمال اور اپنے جمال اور اپنے جلال اور اپنے شاداب دل کے ساتھ فوقیت لے گیا ہے۔

**شرح**۔ یعنی ان اوصاف میں آپ کا کوئی ہمسر اور شریک نہیں۔ آپ کے جلال کا یہ حال تھا کہ بڑے بڑے بادشاہ آپ سے لرزتے تھے۔ آپ نے فرمایا اُعْطِیْتُ الرُّعْبَ مَسِیْرَۃَ شَھْرَیْنِ کہ دو مہینے کے سفر پر رہنے والی حکومتیں بھی مجھ سے مرعوب ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط قیصر روم کو ملا اور اُس نے ابوسفیان کو بلا کر کچھ حالات دریافت کئے تو اُس کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے:۔

"لَقَدْ اَمِرَ اَمْرُ ابْنِ اَبِیْ کَبْشَۃَ اَنَّہٗ یَخَافُہٗ مَلِکُ بَنِی الْاَصْفَرِ"

کہ اس شخص کا معاملہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ رومیوں کا بادشاہ بھی اس سے خوف کھاتا ہے۔

اسی طرح ایک شخص آپ کے روبرو پیش ہوا تو وہ آپ کے رُعب سے تھر تھر کانپنے لگا۔ تو آپ نے اُسے تسلّی دیتے ہوئے فرمایا کہ مرعوب مت ہو مَیں تو ایک عورت کا بیٹا ہوں جو قَدِید یعنی سوکھا ہوا گوشت کھاتی تھی۔

اِن دو شعروں میں مصنفِ قصیدہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ عالیہ کو جمع کر دیا ہے۔ اِسی طرح آپ ایک اور قصیدہ میں فرماتے ہیں ؎

سُرّلَۃٗ انوار الکریم محمّدا     وفی مہجتی نور وجیش لامدحا
شفیع البرایا منبع الفضل والہدیٰ     کریم السجایا اکمل العلم والنّہیٰ

تبصر خليلي هل ترى من مشاكه — بتلك الصفات الصالحات باحمدا

بشير نذير آمر مانع معًا — حكيم بحكمته الجليلة يقتدى

اور میرے دل میں جوش اور ولولہ ہے کہ میں مدح کروں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خدائے کریم کے انوار کا خلاصہ ہے۔ اعلیٰ خصائل والا ہے۔ علم وعقل میں کامل ہے۔ مخلوق کا شافع اور فضل وہدایت کا چشمہ ہے۔ اے مدعی! دیکھ کوئی اور شخص تجھ کو ان صفاتِ حسنہ میں احمد کا شریک نظر آتا ہے۔ وہ ایک ہی وقت میں بشیر ونذیر ہے اور آمر وناہی یعنی حکم دینے والا اور منع کرنے والا ہے۔ صاحب حکمت ہے اور اپنی روشن حکمت سے دنیا کا پیشوا بنا ہے۔

ایک شارع نبی میں اور ہادیٔ کامل میں جن صفات کا پایا جانا ضروری ہے وہ آخری شعر میں نہایت خوبصورت اور دلفریب انداز میں جمع کر دی گئی ہیں۔

۴۵۔ لَا شَكَّ اَنَّ مُحَمَّدًا خَيْرُ الْوَرٰى

رِيقُ الْكِرَامِ وَنُخْبَةُ الْاَعْيَانِ

**معانی الالفاظ** ریق۔ قوت وروح۔ اسکی جمع ارياق اور رياق ہے۔
نخبۃ۔ چیدہ۔ جمع نُخُب ہے۔ اعیان۔ منتخب لوگ عَینٌ کی جمع ہے۔

**ترجمہ**۔ یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیر الوریٰ اور جانِ کرام اور انکی قوت



اور چیدہ اعیان ہیں۔

۴۶۔ تَمَّتْ عَلَيْهِ صِفَاتُ كُلِّ مَزِيَّةٍ

خُتِمَتْ بِهٖ نَعْمَاءُ كُلِّ زَمَانٍ

**معانی الالفاظ** مزیّۃ۔ ہر وہ فضیلت جو علم، سخاوت، شجاعت یا شرافت وغیرہ صفات سے حاصل ہو جن کے ذریعہ سے انسان دوسروں سے ممتاز ہوتا ہے۔ اس کی جمع مزایا ہے۔ نعماء۔ احسان۔ آرام وآسائش۔ خوشحالی۔ اس کی جمع اَنْعُمٌ ہے۔ صفات۔ صفۃ کی جمع ہے۔ وہ علامات جن کے ساتھ موصوف کی شناخت ہوتی ہے۔

**ترجمہ**۔ ہر قسم کی فضیلت کی صفات آپ میں علی الوجہ الاتم پائی گئیں اور ہر زمانے کی نعمت آپ کی ذات پر ختم ہے۔

**شرح**۔ اس شعر کی تشریح میں ایک مبسوط کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ اس میں مصنف قصیدہ نے اپنے محبوب آقا کی چند الفاظ میں ایسی جامع تعریف فرمائی ہے گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ وہ کمالات اور فضائل جن کے ساتھ انسان دوسری مخلوقات سے ممتاز ہوتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں اور ہر زمانے کی نعمت آپ کو کامل طور پر عطا کی گئی۔

پہلے مصرعہ میں تو آپ کے بنی آدم میں سے کامل انسان ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ بحیثیت انسان جسقدر فضائل وکمالات بلحاظ کمیت

وکیفیت کسی انسان میں ممکن طور پر جمع ہو سکتے تھے وہ آپ کی ذات بابرکات
میں باحسن وجوہ پائے گئے۔ گویا اس مصرعہ میں حدیث قدسی لَوْلَاکَ لَمَا
خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ کا مضمون ادا کیا گیا ہے۔ اس حدیث میں بھی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو دائرۂ انسانیت کا نقطۂ مرکزیہ قرار دیا ہے۔ جس پر
تمام انسانی کمالات ختم ہو جاتے ہیں۔ ۱۹۲۸ء کا ذکر ہے جبکہ میں بمقام
حیفا ایک ہوٹل میں مقیم تھا۔ ایک روز جبکہ میں اس کی دوسری منزل کی بلکنی
(شہ نشین) پر بیٹھا ہوا تھا نابلس کے مشہور دو تاجر جو اسی ہوٹل میں ٹھہرے
ہوئے تھے مجھ سے ملے اور دوران گفتگو میں ان میں سے ایک نے اس حدیث
کے متعلق سوال کیا۔ میں نے اس کا عام مفہوم بتایا لیکن اس کی تسلی نہ ہوئی
اُس نے کہا یہ بات غیر معقول نظر آتی ہے کہ اگر ایک شخص پیدا نہ ہوتا۔
تو ساری دنیا ہی پیدا نہ کی جاتی۔ اس کے اعتراض سے میں نے اپنے دل
میں ایک اضطراب کی سی کیفیت محسوس کی اور یہ خواہش زور سے پیدا
ہوئی کہ کوئی ایسا حل معلوم ہو جائے جس سے ان کی تسلی ہو جائے۔
الحمد للہ کہ میرے دل میں دفعۃً ایک مضمون ڈالا گیا جو میں نے تفصیل سے
اُن کے سامنے بیان کیا۔ میں نے کہا۔ جب انسان کسی چیز کی ساخت شروع
کرتا ہے تو اُس کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اس کو ایسا مکمل بنائے کہ اُس
میں کوئی نقص باقی نہ رہے اور وہ اپنی طرف سے اس میں کوشش کا کوئی
پہلو اٹھا نہیں رکھتا۔ لیکن انسانی کاموں میں نقص رہ جانے کی وجہ
یہ ہوتی ہے کہ نہ تو انسان کا علم کامل ہوتا ہے اور نہ اُسے ہر چیز پر



قدرت حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً ایک گھڑی ساز جو اپنے فن میں کیسا ہی
ماہر کیوں نہ ہو ایسی گھڑی ہرگز نہیں بنا سکتا جو ہر وقت چلتی رہے
اور اس میں نقص کبھی پیدا نہ ہو۔ وہ ایسی گھڑی کیوں نہیں بنا سکتا؟ اسلئے
کہ اس کو علم تام نہیں اور وہ ایسا میٹیریل پیدا کرنے کی قدرت نہیں
رکھتا جو ہمیشہ ہمیش کام دے اور کوئی خرابی اور نقص کبھی اس میں دخل
نہ پا سکے۔ پس انسانی کاموں کا نقص عدم علم کامل اور عدم قدرت کاملہ
کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے اور قدیر بھی۔ اس کا علم
بھی کامل ہے اور اس کی قدرت بھی کامل۔ پس جب وہ کسی چیز کے
بنانے کا ارادہ کرے تو وہ ناقص کس طرح رہ سکتی ہے۔ اس حدیث
قدسی کا مفہوم یہ ہے کہ اے محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب میں نے
مخلوقات کا سلسلہ شروع کیا اور تمام مخلوقات میں سے انسان کو
اشرف ٹھہرایا تو ضروری تھا کہ میں اس اعلیٰ اور کامل انسان کو بھی
پیدا کرتا جس پر دائرۂ کمالاتِ انسانی ختم ہو جاتا اور اس سے بڑھکر
کسی انسان میں کمالاتِ انسانی کا پایا جانا متصوّر نہ ہو سکتا۔ اور
وہ کامل انسان تو ہے جو "ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال" کا مصداق
اور دائرۂ انسانیت کا نقطۂ مرکزیہ ہے۔ اس لئے اگر تیرا پیدا کرنا
مدّنظر نہ ہوتا تو میں سلسلۂ مخلوقات کو شروع ہی نہ کرتا۔ جب
شروع کیا تو تیرا (جو کامل انسان ہے) پیدا کرنا بھی ضروری تھا۔ یہ
سُنکر وہ دونو تاجر خوش ہوئے اور کہا کہ آج اس حدیث کا صحیح مفہوم معلوم ہوا ہے۔

انسانی کمالات میں سے ایک کمال اخلاقِ فاضلہ سے متّصف ہونا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کہ اے رسول تو خلق عظیم پر ہے یعنی "اپنی ذات میں تمام مکارمِ اخلاق کا ایسا متمم و مکمل ہے کہ اس پر زیادت متصوّر نہیں۔ کیونکہ لفظ عظیم محاورۂ عرب میں اس چیز کی صفت میں بولا جاتا ہے جس کو اپنا نوعی کمال پُورا پُورا حاصل ہو۔"

اخلاقِ فاضلہ میں سے ایک خلق باوجود سزا دینے کی مقدرت رکھنے کے عفو ہے۔ اور اس خلق کا جس رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہور ہوا وہ غایت درجہ کامل اور بے نظیر ہے۔

ایک دفعہ آپ ایک جنگ سے واپس آرہے تھے۔ دوپہر کے وقت لشکر نے ایک جگہ قیام کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیحدگی میں ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے۔ آپ کے ساتھ جو صحابہؓ تھے وہ بھی اپنی اپنی جگہ تلاش کرکے آرام کرنے لگے۔ آپ اپنی جگہ پر اکیلے تھے اچانک دعثور نامی ایک دشمن آپ کے پاس جا پہنچا۔ اور آپ کی تلوار جو درخت میں لٹک رہی تھی اُس نے اپنے قبضہ میں کرلی۔ اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوگئے۔ اور وہ بولا۔ اے محمدؐ! بتا تمہیں اسوقت مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ ایسے وقت میں بڑے سے بڑے بہادر کے بھی اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ لیکن آپ کے توکل علی اللہ اور شجاعت کا تو عالم ہی اَور تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ! یہ اللہ کا لفظ ایسی جلالی شان





اور رُعبناک آواز میں آپ کی زبان سے نکلا کہ اُس کا دل لرزا، جسم کانپا اور تلوار ہاتھ سے چھوٹ پڑی۔ اب وہی تلوار آپ نے اُٹھا کر فرمایا۔ بتا مجھ سے تجھے کون بچا سکتا ہے۔ اس نے آپ ہی سے معافی چاہی اور آپ نے اس جانی دشمن کو معاف کر دیا۔ یہ عفو کی کتنی اعلیٰ اور کتنی شاندار مثال ہے۔

اسی طرح فتح مکّہ کے دن وہ دشمن آپ کے سامنے پیش کئے گئے جنہوں نے آپ اور آپ کے ساتھیوں پر تیرہ سال تک انسانیت سوز مظالم کئے اور تین سال تک مکمل مقاطعہ جاری رکھا۔ جائیدادیں چھین لیں۔ اموال لُوٹ لئے اور وطن سے نکال دیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ اب وہ سب کے سب ایسے آپ کے قابو میں تھے کہ آپ کا ایک ادنیٰ سا اشارہ اُن کے سر قلم کر دیئے جانے کے لئے کافی تھا۔ لیکن آپ نے انہیں کوئی سخت لفظ بھی نہ کہا۔ بلکہ صرف یہ دریافت فرمایا۔ "ماذا تظنون انّی فاعل بکم" بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے۔ مَیں تم سے کیسا معاملہ کرونگا؟

انتہائی شرم و ندامت سے سر جھکائے ہوئے انہوں نے جواب دیا ہم آپ سے اُسی سلوک کی توقع رکھتے ہیں جو یُوسف نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا۔ اس جواب پر آپ نے ان کی تمام ستمگاریوں اور ایذا رسانیوں کو نظر انداز کرکے فرمایا:—

" لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ

وَھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ ۔ اِذْھَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ"
جاؤ آج تم پر کوئی سرزنش نہیں ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف فرمائے اور وہ سب رحم کرنیوالوں سے بڑا رحم کرنیوالا ہے ۔ جاؤ! تم سب آزاد ہو۔

حدیث میں آتا ہے کہ وہ مسجد الحرام سے ایسے نکلے کَاَنَّمَا خَرَجُوْا مِنَ الْقُبُوْرِ گویا وہ قبروں سے نکلے ہیں ۔ اور سب کے سب مسلمان ہو گئے ۔ فاتحین ممالک میں اس قسم کے عفو عام کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جا سکتی۔

اسی طرح دشمن سے حسن سلوک ، بددعا کی جگہ اس کے لئے دُعا۔ اُس کی بدی کے بدلے میں نیکی و احسان نہایت بلند پایہ اخلاق میں سے ہیں ۔ لندن میں ۱۹۳۵ء سے اوائل ۱۹۳۶ء تک تقریباً ایک سال سے زائد مدت تک مسٹر گرین اور میرے درمیان ہائیڈ پارک میں ہر جمعہ کو مباحثہ ہوا کیا ۔ مسٹر گرین کا بائیبل کے حسابات کی رُو سے یہ عقیدہ تھا کہ یسوع مسیح ۱۹۵۴ء میں آسمان سے اُتریں گے ۔ وہ اس کے متعلق بہت سے اشتہارات بھی شائع کر چکے تھے ۔ شرائط مباحثہ مختصراً یہ طے پائی تھیں کہ ایک جمعہ کو وہ قرآن مجید ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام پر جو اعتراضات کرنا چاہیں کریں میں اُن کا جواب دونگا ۔ اور ایک جمعہ کو میں عیسائیت پر اعتراضات کرونگا اور وہ جواب دیں گے ۔ یہ مباحثہ ہر دفعہ تین گھنٹہ ہوا کرتا تھا ۔ تقریریں دس دس منٹ کی ہوتی تھیں ۔ حاضرین کو بھی سوال کرنے کا حق ہوتا تھا ۔ اللہ تعالیٰ کے



فضل سے یہ مباحثات نہایت کامیاب رہے اور آخر کار مسٹر گرین نے اپنی شکست تسلیم کر لی اور مباحثہ کرنا چھوڑ دیا ۔ ایک دن انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یسوع کی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یسوع مسیح نہایت بلند پایہ اخلاق رکھتے تھے ۔ چنانچہ انہوں نے جبکہ وہ صلیب پر لٹکائے جا چکے تھے یہود کے لئے جو آپ کے جانی دشمن تھے اِن الفاظ میں دُعا کی ۔ "اے میرے باپ تو انہیں بخش دے ۔ کیونکہ وہ نہیں جانتے ۔" یعنی عدم علم کی وجہ سے وہ مجھ سے ایسا سلوک کر رہے ہیں ۔ اِس قسم کے اخلاق کا نمونہ کسی نبی نے نہیں دکھایا ۔ اور نہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ۔

میں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنہیں ہم اللہ تعالیٰ کا رسول اور نبی مانتے ہیں اخلاق فاضلہ رکھتے تھے ۔ لیکن یہ کہنا کہ دوسرے انبیاء اخلاق فاضلہ میں اُن کے ہم پلّہ نہ تھے درست نہیں ۔ مسٹر گرین کا یہ کہنا کہ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسی کوئی مثال قائم نہیں کی تاریخ اسلامی سے ناواقفیت کے سبب سے ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی غزوہ اُحد میں پتھروں سے زخم آئے اور آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور کفار نے مشہور کر دیا "قتل محمّدا" کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے ہیں ۔ ہوش میں آنے پر آپ اپنے زخموں سے خون پونچھتے جاتے اور یہ کہتے جاتے تھے اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ اے میرے اللہ! تو میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ وہ نہیں جانتے ۔ یعنی عدم علم کی وجہ سے مجھ سے ایسا سلوک کر رہے ہیں۔

دونوں مقدس نبیوں کی دُعائیں اس لحاظ سے تو یکساں معلوم ہوتی ہیں کہ اُن میں اپنے اپنے دشمنوں کی بھلائی چاہی گئی ہے لیکن درحقیقت دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ حضرت مسیحؑ کی دُعا تو اُن یہود کا قصور بخش دئے جانے کے متعلق ہے جو اُن کے صلیب پر لٹکائے جانے کا موجب تھے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا صرف یہی نہیں تھی کہ جن دشمنوں نے آپ کو مجروح کیا تھا اُن کا گناہ بخشدیا جائے بلکہ آپ کی دُعا یہ تھی کہ اے میرے ربّ تو انکو ہدایت عطا فرما۔ یعنی جو نعمت مجھے بخشی ہے وہی انہیں بھی بخش۔ سیّدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا حضرت مسیح علیہ السلام کی دُعا پر جتنی عظیم الشان فوقیت رکھتی ہے وہ "عیاں را چہ بیاں" کی مصداق ہے اور جب ہم دونوں دُعاؤں کے نتائج کو دیکھتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کی اور زیادہ شان بڑھ جاتی ہے۔ انجیل سے ثابت ہے کہ حضرت مسیحؑ سے یہود نے جو سلوک کیا تھا اُس کی سزا آنجناب نے یہ بتائی۔ کہ اُن سے آسمانی بادشاہت چھین لی جائیگی اور وہ فی الحقیقت چھین لی گئی تو اس سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ حضرت مسیحؑ کی دُعا قبول ہو کر یہود کا گناہ بخشدیا گیا تھا۔ بلکہ اِس سے تو یہ معلوم ہوا کہ حضرت مسیحؑ کے آڑے وقت کی دُعا بھی قطعاً قبول نہیں ہوئی۔ اور یہود کا گناہ ہرگز نہیں بخشا گیا۔ اگر بخشدیا گیا ہوتا۔ تو آسمانی بادشاہت اُن سے کیوں چھینی جاتی۔ اور چونکہ آسمانی بادشاہت یقیناً اُن سے چھینی جاچکی ہے اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی دُعا جو آپنے اُن کے گناہ بخشے جانے کے لئے کی تھی قبول نہیں ہوئی ہے۔



لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا کہ اے میرے ربّ! میری قوم کو ہدایت دے قبول ہوگئی اور اُس کی مقبولیت فتح مکّہ کے روز بڑی شان و شوکت اور ایسی صفائی سے ظاہر ہوگئی کہ سارے عالم میں کسی دشمن کے لئے گنجائش انکار باقی نہ رہی۔ یعنی جب نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکّہ کے دن اپنے تمام دشمنوں کو معاف فرما دیا تو وہ سب کے سب ایمان لے آئے اور ہدایت یاب ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ کی مقبولیت کا عظیم الشان نشان بن گئے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف عفو و درگذر اور حسن سلوک ہی میں بے نظیر تھے بلکہ انسانی کمالات میں شمار کی جانے والی تمام صفات مثلاً جرأت و شجاعت، غیرت و حمیّت، رأفت و رحمت، جود و سخا، صدق و صفا، لطف و عطا، ایثار و وفا، استقلال و استقامت، صبر و قناعت، توکل علی اللہ، شفقت علی خلق اللہ وغیرہ میں انتہائی نقطۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔

جو دوست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ اور ان نعمتوں کے متعلق جو آپ کو دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں بڑھکر ملیں مفصّل دیکھنا چاہیں تو وہ حضرت امام جماعت احمدیہ کی تفسیر کبیر سورۃ کوثر کی تفسیر مطالعہ فرمائیں۔

دوسرے مصرعہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ آپ پر ہر زمانے کی نعمت ختم کی گئی۔ قرآن مجید میں ظاہری لحاظ سے بڑی نعمت بادشاہت اور رُوحانی

لحاظ سے بڑی نعمت نبوت بیان کی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو جس رنگ کی ظاہری بادشاہت عطا ہوئی اور جس قسم کی وفادار اور
جاں نثار رعیت ملی تمام دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ اللہ
تعالیٰ نے آپ کی زندگی میں آپ کو جزیرۂ عرب، یمن، نجد اور بحرین کی
حکومت بخشی۔ اور فرمایا۔ "وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى" کہ تیرے
رب نے جو کچھ تجھے عطا کیا ہے وہ بہت عمدہ اور اچھا اور دیرپا ہے
آپ نے مکّہ معظمہ و مدینہ منورہ کے متعلق خاص طور پر پیشگوئی فرمائی کہ
وہ غیر مسلم قوم کے قبضے میں نہیں جائیں گے جو اُن کی تقدیس کی قائل نہ
ہو۔ چودہ سو سال سے اس پیشگوئی کی صداقت ظاہر ہو رہی ہے اور
اللہ تعالیٰ نے جو ملک آپ کی زندگی میں آپ کو عطا فرمایا تھا وہ آپ کے
پیروؤں کے پاس ہی رہا اور کوئی غیر مسلم حکومت اس پر قابض نہ ہو سکی۔
کیا اس نعمت کی کوئی مثال ساری دنیا میں سے پیش کی جا سکتی ہے؟

روحانی نعمت نبوت بھی آپ کو نہایت اکمل صورت میں ملی اور آپ
کو خاتم النبیین کا لقب عطا کیا گیا۔ اور نبوت کی نعمت کے آپ پر ختم
ہونے سے بھی یہی مراد ہے کہ آپ پر کمالاتِ نبوت ختم ہیں یعنی نبوت
کے جو کمالات دوسرے انبیاء میں جزوی طور پر پائے گئے تھے۔ وہ آپ
میں کلّی طور پر پائے گئے ہیں۔ اور آپ مستجمع جمیع کمالات نبوت ہیں۔
یعنی نبوت کا کوئی درجہ اور کوئی مقام ایسا نہیں جو کسی اور نبی کو تو
حاصل ہوا ہو لیکن آپ کو حاصل نہ ہوا ہو۔



پھر آپ کا خاتم النبیین ہونا آپ کے جامع کمالات اور تمام انبیاء
سے افضل ہونے کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ اس لئے بھی ہے کہ آپ کا
فیض تمام نبیوں کے فیض سے زیادہ ہے۔ پہلے کسی نبی کو یہ مقام
حاصل نہیں ہوا کہ اس کے فیض سے کسی کو نبوت کی نعمت ملی ہو اور
وہ اُمتی نبی کہلایا ہو۔ یہ اعزاز بوجہ خاتم النبیین ہونے کے صرف
آپ ہی کو حاصل ہوا ہے۔ ایک آپ ہی ہیں جن کی کامل اطاعت
سے ایک مومن کو بوقت ضرورت مقامِ نبوت بھی حاصل ہو سکتا ہے۔
اور یہ امر منافی آیت خاتم النبیین نہیں۔ چنانچہ حضرت امام ملّا علی
قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "موضوعات کبیر" میں فرماتے ہیں کہ اگر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ابراہیم زندہ رہتے اور نبی ہو جاتے
یا حضرت عمرؓ کو منصب نبوت حاصل ہو جاتا تو وہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے پیرو ہی رہتے وَهٰذَا لَا يُنَاقِضُ قَوْلَهٗ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ
اِذِ الْمَعْنٰى اَنَّهٗ لَا يَأْتِيْ بَعْدَهٗ نَبِيٌّ يَنْسَخُ مِلَّتَهٗ وَلَمْ يَكُنْ
مِنْ اُمَّتِهٖ اور یہ اس کے قول خاتم النبیین کے مخالف نہیں ہے
کیونکہ خاتم النبیین ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی ایسا
نبی نہیں آئیگا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت میں
سے نہ ہو۔ اسی طرح آپ نے "لا نبی بعدی" کے متعلق بھی یہی فرمایا
ہے کہ اس کے معنے علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی
ناسخ شریعت محمدیہ نہیں ہوگا۔ اور امام محمد طاہر السندی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول "قولوا خاتم الانبیاء ولا تقولوا لا نبیّ بعدہٗ" کے یہی معنے کئے ہیں کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیّین تو کہو لیکن یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا کیونکہ لا نبی بعدی سے مُراد یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئیگا جو شریعتِ محمدیہ کو منسوخ کرے۔

انبیائے سابق کے فیض سے اُن کے متبعین روحانیت کے صرف تین مراتب حاصل کر سکتے تھے۔ وہ صدّیق بن سکتے تھے۔ شہید بن سکتے تھے۔ صالح بن سکتے تھے۔ لیکن سید الانبیاء محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فخر حاصل ہے کہ آپ کے وسیلہ وطفیل سے آپ کے ایک امّتی کو عند الضرورت مقامِ نبوت بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:—

"یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے سیّد و مولا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جسقدر خدا تعالیٰ کی طرف سے نشان اور معجزات ملے وہ صرف اس زمانہ تک محدود نہ تھے بلکہ قیامت تک اُن کا سلسلہ جاری ہے۔ اور پہلے زمانوں میں جو کوئی نبی ہوتا تھا وہ کسی گذشتہ نبی کی اُمت نہیں کہلاتا تھا گو اُس کے دین کی نصرت کرتا تھا اور اس کو سچا جانتا تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ایک خاص فخر دیا گیا ہے کہ وہ ان معنوں سے خاتم الانبیاء ہیں کہ ایک تو تمام کمالاتِ نبوت



آپ پر ختم ہیں اور دوسرے یہ کہ اُن کے بعد کوئی شریعت لانیوالا رسول نہیں اور نہ کوئی ایسا نبی ہے جو اُن کی اُمت سے باہر ہو۔ بلکہ ہر ایک کو جو شرف مکالمہ الٰہیہ ملتا ہے وہ انہیں کے فیض اور انہیں کی وساطت سے ملتا ہے۔ اور وہ اُمتی کہلاتا ہے نہ کوئی مستقل نبی۔" (مضمون ملحقہ چشمہ معرفت ص۹)

## ۴۷- وَاللّٰہِ اِنَّ مُحَمَّدًا کَرِدَافَۃٍ ۔ وَبِہِ الْوُصُوْلُ بِسُدَّۃِ السُّلْطَانِ

**معانی الالفاظ**

رِدَافَۃ: الاسم من ارداف الملوک فی زمن الجاھلیۃ یعنی جاہلیت میں بادشاہ جو اپنا رِدف بناتے تھے اس سے اسم ہے اور اس کے ایک معنے اس سوار کے ہیں جو دوسرے سوار کے پیچھے سوار ہو۔ اور زمانہ جاہلیت میں ردف بادشاہ کا جلیس ہوتا تھا جو اس کے دائیں جانب بیٹھتا۔ اور بادشاہ کے پینے کے بعد پیتا اور جنگ کے زمانہ میں بادشاہ کا قائم مقام ہوتا تھا۔ اور جب بادشاہ کا کوئی لشکر فتح پاکر واپس آتا تو اس سے غنیمت کا چوتھا حصّہ وصول کرتا تھا۔ اور اس کی جمع اَرداف ہے۔ لسان العرب میں ہے۔ ارداف الملوک فی الجاھلیۃ کانوا یخلفونھم فی القیام بامر المملکۃ بمنزلۃ الوزراء فی الاسلام۔ یعنی زمانہ جاہلیت میں بادشاہوں کے ارداف امور مملکت کے سرانجام دینے میں ان کے قائم مقام یا جانشین ہوتے تھے جیسے کہ وزراء زمانہ اسلام میں۔ اسکی واحد ردف اور اسم ردافۃ ہے جیسے وزیر سے وزارت۔ سُدَّۃ۔ باب الدار، گھر کا دروازہ۔ دہلیز۔

**ترجمہ** - اللہ تعالیٰ کی قسم! یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم جانشین کی مانند ہیں۔ اور آپ ہی کے ذریعہ دربارِ شاہی تک رسائی ہو سکتی ہے۔

**شرح** - یہ شعر درحقیقت آیت ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کی تفسیر ہے۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سیر الی اللہ کرتے کرتے کامل طور پر متخلق باخلاق اللہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے قریب ہو گئے۔ پھر آپ کی "تدلّی" ہوئی یعنی خلق اللہ کی طرف نزول کیا۔ اور لوگوں کی اصلاح اور اُنکی بھلائی میں بدل و جان مصروف ہو گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"اس جگہ ایک ہی دل میں ایک حالت اور نیّت کے ساتھ دو قسم کا رجوع پایا گیا۔ ایک خدا تعالیٰ کی طرف جو وجود قدیم ہے اور ایک اس کے بندوں کی طرف جو وجود محدَث۔ اور دونو قسم کا وجود قدیم اور حادث ایک دائرہ کی طرح ہے جس کی طرف اعلیٰ وجوب اور طرفِ اسفل امکان ہے۔ اب اس دائرہ کے درمیان میں انسان کامل بوجہ دنوّ اور تدلّی کے دونوں طرف سے اتصال محکم کر کے یوں مثالی طور پر صورت پیدا کر لیتا ہے جیسے ایک وتر دائرے کے دو قوسوں میں ہوتا ہے۔ یعنی حق اور خلق میں واسطہ ٹھہر جاتا ہے۔ پہلے اس کو دنوّ اور قرب الٰہی کی خلعت خاص عطا کی جاتی ہے اور قرب کے اعلیٰ مقام تک صعود کرتا ہے اور پھر خلق کی طرف اس کو لایا جاتا ہے۔ پس اس کا وہ صعود اور نزول دو قوس کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے اور نفس جامع التعلّقین



انسان کامل کا ان دونوں قوسوں میں قابَ قوسین کی طرح ہوتا ہے اور قاب عربی کے محاورہ میں کمان کے چلّے پر اطلاق پاتا ہے۔ پس آیت کے بطور تحت اللفظ یہ معنے ہوئے کہ نزدیک ہوا یعنی خدا سے پھر اُترا یعنی خلقت پر۔ پس اپنے اس صعود اور نزول کی وجہ سے دونوں قوسوں کیلئے ایک ہی وتر ہو گیا۔" (براہین احمدیہ حصّہ چہارم)

اس شعر میں یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔ کہ آپ مخلوق اور خالق کے درمیان بطور واسطہ کے ہیں۔ اب نہ تو کوئی شخص آپ کے دین کو اختیار کئے بغیر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے اور نہ کوئی عمل اس کے نزدیک قابلِ قبول ہو سکتا ہے جب تک کہ آپ کی شریعت کے مطابق نہ ہو اور آپ کے طریقہ پر نہ کیا جائے۔ اور قصیدہ کے مطلع میں یہ بتایا تھا۔ کہ اب فیضِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ صرف آپکا وجود باجود ہے۔ جو آپکے چشمۂ فیض سے نہیں پیتا وہ محروم ازلی ہے کیونکہ باقی تمام چشمے خشک ہو چکے ہیں۔ گویا آپ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان ایسے مقام پر فائز ہیں کہ نہ کوئی شخص بغیر آپ کو واسطہ بنائے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے اور نہ فیضِ الٰہی کا مورد ہو سکتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونے کی آپ کو واسطہ بنائے بغیر کوئی صورت نہیں۔ میرے نزدیک یہ شعر اور اس سے پہلا شعر اس قصیدہ کے بیت القصید ہیں۔

---

۴۸۔ هُوَ فَخْرُ كُلِّ مُطَهَّرٍ وَمُقَدَّسٍ
وَبِهٖ يُبَاهِي الْعَسْكَرُ الرُّوْحَانِيْ

**معانی الالفاظ** يُبَاهِي ۔ بَاهَى سے مضارع کا صیغہ ہے ۔ بَاهَاهُ فِي الْحُسْن اس نے حسن میں دوسرے پر مفاخرت کی ۔

**ترجمہ** ۔ آپ ہر مطہر اور مقدس کے فخر ہیں اور روحانی لشکر آپ ہی کے وجود پر متفخر اور نازاں ہے ۔

۴۹۔ هُوَ خَيْرُ كُلِّ مُقَرَّبٍ مُتَقَدِّمٍ
وَالْفَضْلُ بِالْخَيْرَاتِ لَا بِزَمَانٍ

**معانی الالفاظ** خَيْر ۔ جس میں بہت بھلائی پائی جائے ۔ کسی چیز کا سع اپنے ضروری لوازمات اور کمالات کے پایا جانا ۔ بہتر اور افضل ۔ اس کی جمع خیرات ہے ۔

**ترجمہ** ۔ آپ ہر گذشتہ مقرب سے افضل ہیں اور فضیلت کا دار خیر پر موقوف ہے نہ کہ زمانہ پر ۔

**شرح** ۔ پہلے مصرعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ مقربان بارگاہ الٰہی سے افضل اور بہتر ہونے کا ذکر ہے ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے محبوب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتے ہیں : ۔

"ہم جب انصاف کی نظر سے دیکھتے ہیں تو تمام سلسلہ نبوت میں اعلیٰ درجہ کا جوانمرد نبی اور زندہ نبی اور خدا تعالیٰ کا اعلیٰ درجہ کا پیارا نبی صرف ایک مرد کو جانتے ہیں یعنی وہ نبیوں کا سردار ، رسولوں کا



فخر ، تمام مرسلوں کا سرتاج جس کا نام محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ جس کے زیر سایہ دس دن چلنے سے وہ روشنی ملتی ہے جو پہلے اُس سے دس ہزار برس تک نہ مل سکتی تھی ۔" (سراج منیر صفحہ ۸۰)

اور دوسرے مصرعہ میں فضیلت کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ پہلے یا پیچھے ہونا کوئی فضیلت کا باعث نہیں بلکہ فضیلت کمالات اور اعلیٰ درجہ کے نافع اعمال پر موقوف ہے ۔ یہی بات خاتم النّبیّین کے معنے بیان کرتے ہوئے مولانا محمد قاسم نانوتوی بانیٔ دارالعلوم دیوبند نے اپنی کتاب تحذیر الناس میں لکھی ہے ۔ آپ فرماتے ہیں : ۔

"اوّل معنے خاتم النّبیین کے معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقّت نہ ہو ۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں ۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تأخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں ۔ پھر مقامِ مدح میں وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے ۔ ہاں اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہیئے اور اس مقام کو مقام مدح قرار نہ دیجیئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تأخر زمانی صحیح ہو سکتی ہے مگر میں جانتا ہوں کہ اہل اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہوگی ۔" (تحذیر الناس صفحہ ۳)

پھر آیت خاتم النّبیّین کا یہ حاصل مطلب لکھتے ہیں : ۔

"ابوت معروفہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں پر ابوت معنوی متقیوں کی نسبت بھی حاصل ہے۔ انبیاء کی نسبت تو لفظ خاتم النّبیین شاہد ہے۔" (ص ۱۰)

پھر لکھتے ہیں :-

"اگر خاتمیت بمعنی اوصاف ذاتی بوصف نبوت لیجئے جیسا اس ہیچمدان نے عرض کیا ہے تو پھر سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کی افراد خارجی ہی پر آپ کی افضلیت ثابت نہیں ہوگی بلکہ افراد مقدرہ پر بھی آپ کی افضلیت ثابت ہوگی۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا۔" (ص ۲۵)

اس شعر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل ہونیکا ذکر ہے کیونکہ آپ مستجمع جمیع صفات کاملہ مقربانِ الٰہی ہیں۔ اور فضیلت میں زمانہ کو دخل نہیں بلکہ فضیلت کمالات اور اچھے کارناموں پر موقوف ہے۔ اسلئے آپ خواہ کسی زمانہ میں ہوتے اور آپ کے بعد کتنے ہی مقربانِ الٰہی ہوتے آپ اُن سب سے افضل ہی رہتے۔

۵۰۔ وَالطَّلُّ قَدْ يَبْدُوْا اَمَامَ الْوَابِلِ
فَالطَّلُّ طَلٌّ لَيْسَ كَالتَّهْتَانِ



**معانی الالفاظ** ۔ الطَّلّ ۔ ہلکی بارش یا شبنم۔ اس کی جمع طِلَال اور طلل ہے۔ وَابِل ؛ سخت بارش۔ التَّهْتَان ۔ موسلا دھار بارش کا ہونا جو پے در پے ہوتی رہے۔

**شرح** ۔ اس شعر میں اس سوال کا جواب دیا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمام مقربانِ بارگاہ الٰہی سے افضل ہیں تو پھر ان انبیاء کے متعلق کیا کہتے ہیں جو آپ سے پہلے خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کئے گئے ؟ آپ فرماتے ہیں۔ ان کی مثال اس ہلکی بارش کی سی ہے جو بڑی بارش کے آنے کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور وہ بتاتی ہے کہ اب بڑی بارش ہونے والی ہے۔ اسی طرح پہلے انبیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری دینے کیلئے آئے تھے اور ان کا وجود علامت تھی اس امر کی کہ نبیوں کا سردار، رسولوں کا سرتاج خاتم الانبیاء سید الانس والجان حضرت **محمد** مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہونے والا ہے۔

۵۱۔ بَطَلٌ وَحِيْدٌ لَا تَطِيْشُ سِهَامُهٗ
ذُوْ مُصْمِيَاتٍ مُوْبِقُ الشَّيْطٰنِ

**معانی الالفاظ** بَطَل ۔ پہلوان ۔ الذی تبطل عندہ الدماء وتذھب ھدرا ۔ یعنی جس سے خون کا بدلہ نہیں لیا جا سکتا۔ اور اسکے یہ معنے بھی کئے جاتے ہیں جس تک پہنچنے کے تمام حیلے ناکام ہو جاتے ہیں۔ مصمیات ۔ مصمیة کی جمع ہے۔ اصمیٰ سے اسم فاعل ہے۔ اصمی الصید کے معنے ہیں شکار کو تیر چلا کر اس کی جگہ اُسے مار گرایا۔ اس حال میں کہ وہ اسے دیکھتا ہو

موبق ۔ اوبق سے اسم فاعل کا صیغہ ہے ۔ اوبقہٗ کے معنے ہیں اُسے ہلاک کر دیا ۔

**ترجمہ** ۔ آپ ہی ایک پہلوان ہیں جس کے تیر کبھی خطا نہیں جاتے ۔ آپ نشانہ رس مہلک تیروں کے مالک شیطان کے ہلاک کنندہ ہیں ۔

**شرح** ۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی ہیبت اور ایسا رعب عطا فرمایا تھا کہ دشمن کو مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی ۔ ایک دفعہ ابوجہل نے جو کہ مکہ والوں میں بہادر مانا جاتا تھا ۔ ایک شخص کا کچھ روپیہ دینا تھا اور ادا نہیں کرتا تھا ۔ مکہ والوں میں سے بعض نے اس سے کہا کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ ۔ یہ ایک شرارت تھی ۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ اس کے ساتھ نہ جائیں گے تو حلف الفضول کی قسم توڑنے والے قرار پائیں گے اور اگر چلے گئے تو ایذا اٹھائیں گے ۔ جب وہ قرض خواہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اور عرض کی تو آپ بلا تامل اس کے ساتھ ہو لئے ۔ اور ابوجہل کے دروازے پر جا پہنچے ۔ جب دستک دینے پر وہ باہر آیا تو آپ نے اُسے فوراً قرض ادا کر دینے کی طرف توجہ دلائی ۔ اور اس نے بلا چون و چرا اُسی وقت اُس کا قرض ادا کر دیا ۔ رؤسائے مکہ نے اس کو ملامت کی کہ تم ہم سے تو یہ کہا کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تنگ کرو اور اس کی کوئی بات نہ مانو ۔ اور خود اسکی بات مان لی ۔ ابوجہل نے جواباً کہا کہ خدا کی قسم اگر تم میری جگہ ہوتے تو تم بھی یہی کرتے ۔ مَیں نے دیکھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دائیں بائیں دو مست اونٹ کھڑے ہیں جو میری گردن مروڑ کر مجھے ہلاک کرنا چاہتے ہیں ۔ (ابن ہشام جلد ۱)



آپ جو حق کا رعب رکھتے تھے وہ شرارت کی رُوح کو کچل دیتا تھا ۔ اور دوسرے کو صدق کے آگے سر جھکانا پڑتا تھا ۔

۵۲ ۔ هُوَ جَنَّةٌ اِنِّیْ اَرٰی اَثْمَارَهٗ
وَ قُطُوْفَهٗ قَدْ ذُلِّلَتْ لِجَنَانِیْ

**معانی الالفاظ** اثمار ۔ ثمرۃ کی جمع ہے ۔ پھل ۔ قطوف ۔ قِطف کی جمع ہے ۔ خوشہ یا گچھا ۔ اس کی جمع قِطاف بھی ہے ۔ ذُلّلت ۔ ذلّل الکرم کے معنے ہیں ۔ اس کے گچھے لٹکے ہوئے ہیں ۔

**ترجمہ** ۔ آپ ایک باغ ہیں ۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ آپ کے پھل اور گچھے اور خوشے جھکا کر میرے دل کے قریب کئے گئے ہیں ۔

**شرح** ۔ اس شعر میں یہ بتایا گیا ہے ۔ کہ آپ کے دل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے شدید مناسبت ہے جس کی وجہ سے آپ موردِ فیضِ محمدی ہیں ۔ یہ مناسبت آپ کے ایک الہام میں یوں ظاہر فرمائی گئی ہے "کلّ برکة من محمد صلی اللہ علیہ وسلّم فتبارك من علّم و تعلّم ۔ یعنی ہر ایک برکت کا مصدر و منبع محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کا وجود باجود ہے پس مبارک ہے وہ جس نے سکھایا اور مبارک ہے وہ جس نے سیکھا ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اُستاد اور مربّی ہیں اور آپ حضور کے شاگرد ۔

---

## اَلْفَیْتُہٗ بَحْرَ الْحَقَائِقِ وَالْھُدٰی
## وَرَأَیْتُہٗ کَالدُّرِّ فِی اللَّمَعَانِ

**ترجمہ** - میں نے آپکو حقائق وہدایت کا سمندر پایا - اور آب وتاب میں موتی کی مانند دیکھا۔

**شرح** - اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ علوم سکھائے اور وہ حقائق آپ پر منکشف فرمائے جو دنیا کی نظروں سے بالکل پوشیدہ تھے - مثلاً آپ نے فرمایا - مَامِنْ دَاءٍ اِلَّا لَہٗ دَوَاءٌ اِلَّا الْمَوْتَ کہ موت کے سوا ہر بیماری کا علاج موجود ہے - یہ بات آپ نے ایسے وقت فرمائی جبکہ بہت سی بیماریاں لاعلاج خیال کی جاتی تھیں لیکن سالہا سال کی تحقیق کے بعد اب بعض لاعلاج بیماریاں قابلِ علاج ثابت ہو گئی ہیں - اسی طرح آپنے بالہامِ الٰہی فرمایا - خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا اور رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا کہ دنیا کی ہر چیز انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہے - چنانچہ اس زمانہ میں بہت سی ان چیزوں کے فوائد معلوم کر لئے گئے ہیں - جو پہلے محض ضرر رساں خیال کی جاتی تھیں - حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

بر لبش جاری ز حکمت چشمۂ — در دلش پُر از معارف کوثرے
اُمّی و در علم و حکمت بے نظیر — زیں چہ باشد حجتے روشن ترے

یعنی اس کے مُنہ سے حکمت کا چشمہ جاری ہے اور اس کا دل معارف سے پُر ایک کوثر ہے - وہ اُمّی ہے مگر حکمت میں بے نظیر ہے - اس سے زیادہ اسکی صداقت پر اور کیا دلیل ہوگی -



## ۵۴ - قَدْمَاتَ عِیْسٰی مُطْرِقًا وَنَبِیُّنَا
## حَیٌّ وَّ رَبِّیْ اِنَّہٗ وَافَانِیْ

**معانی الالفاظ** وَافَانِیْ - وافی موافاۃ حقہ یعنی اس کا حق اُسے پورا پورا دے دیا - وافی المکانَ - اس جگہ آیا - وافانی کے یہ معنے ہیں کہ انہوں نے اپنی شرف ملاقات سے نوازا -

**ترجمہ** - عیسٰی علیہ السلام تو چپ چاپ اپنا سر جھکائے وفات پا گئے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں - اور بخدا انہوں نے مجھے اپنی شرف ملاقات سے بھی نوازا ہے -

**شرح** - پہلے اشعار میں یہ بتایا گیا ہے کہ انبیاء سابق تو ایک ہلکی بارش کی مانند آپکے ظہور کی جو بڑی بارش[۵۵] کی مانند تھا ایک علامت تھے اور جامع جمیع کمالاتِ انبیاء صرف آپ ہی کی ذات رفیع الدرجات تھی - اسپر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عیسائیوں کا یہی عقیدہ حضرت مسیحؑ کے متعلق ہے - وہ انہیں تمام انبیاء سے افضل اور خاتم النبیین[۵۶]

۵۵ آیت اَوْ کَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ (البقرۃ ع ۲) میں اسلام اور آپ کے ظہور کی موسلا دھار بارش سے تشبیہ دی گئی ہے - ۵۶ دیکھو رسالہ خاتم النبیین مؤلفہ پادری بوٹا مل - جسے پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی نے [illegible]ء میں شائع کیا - اس میں مؤلف لکھتا ہے - "وحی آسمانی کی امانت کیلئے صرف بنی اسرائیل ہی مخصوص ہیں اور خاتم النبیین کا ظہور بھی اسی موعود نسل سے ہونیوالا تھا - اور وہ آخری نبی یسوع مسیح ہے ...... اسی آخری نبی نے سلسلۂ نبوت اور الہام پہ یہ کہکر مہر کر دی کہ تمام ہوا -" صفحہ ۵ "اور دنیا کے ایمان کی آزمائش کیلئے مسیح خداوند کی دوسری آمد تک جھوٹے نبیوں کیلئے میدان خالی چھوڑ گئے" (صفحہ ۶) "پس ہماری تحقیق نے ہمیں مجبور کیا ہے کہ ہم دنیا میں اس بات کا علانیہ اظہار کریں کہ توریت اور نبیوں اور انجیل مقدس میں مسیح خداوند اور اس کے حواریوں کے بعد کسی سچے نبی کی آمد کی کوئی خبر نہیں ہے - اس لئے مسیح اور اس کے حواریوں کے بعد کسی کا دعوئ نبوت حق اور قابل وثوق نہیں" صفحہ ۲۱

جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ آسمان پر زندہ اٹھائے گئے ہیں۔ اور قریباً دو ہزار سال سے زندہ ہیں۔ آخری زمانہ میں نازل ہونگے۔ اور ساری دنیا کو راہ راست پر لائیں گے۔ اور یہی عقیدہ مسلمانوں کا بھی ہے کہ وہ دجال کو قتل کرینگے۔ یاجوج ماجوج کو تباہ کرینگے اور انہیں وہ کامیابی حاصل ہوگی جو کسی نبی کو پہلے نہیں ہوئی۔ اس لئے کسی اور کو اُن پر فضیلت دینا درست نہیں ہے۔ اس شعر میں اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو وفات پا چکے ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔

اسجگہ ایک مکالمہ کا ذکر کردینا مناسب خیال کرتا ہوں۔ جو مجھ سے اور علاقہ شام کے انچارج مشنری الفریڈ نیلسون ڈاینمرکی کے وکیل سے جو شامی تھا سنہ ۱۹۲۶ء کے اوائل میں دمشق کے مقام پر ہوا تھا۔ وہ مجھ سے ملنے کیلئے میرے مکان پر آیا۔ اور مذہبی گفتگو کرنی چاہی۔ میرے دریافت کرنے پر کہ آپ کس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ اُس نے کہا۔ کیا خداوند یسوع مسیح افضل تھے یا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے پوچھا آیا قرآن مجید کی رُو سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں یا انجیل کی رُو سے۔ اس نے جواب دیا۔ قرآن مجید کی رُو سے۔ میں نے کہا۔ قرآن مجید کی رُو سے تو حضرت مسیحؑ کا درجہ ایسا ہی ہے جیسے اُستاد کے مقابل میں شاگرد کا۔ اُس نے حیرانی کا اظہار کیا۔ میں نے کہا۔ آپ وہ آیت پیش کریں جس سے آپ مسیحؑ کا افضل ہونا سمجھتے ہیں۔ اُس نے کہا۔ قرآن میں ہے کہ فرشتہ نے حضرت مریمؑ کو بشارت دی کہ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا تجھے پاک لڑکا دیا جائیگا۔ قرآن مجید میں کسی اور نبی کے حق میں ایسا نہیں کہا گیا۔ کہ وہ گناہوں سے پاک اور بے عیب ہوگا۔ زکیؑ کے لفظ کا کسی اور نبی کے حق میں استعمال نہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ مسیحؑ ہی بے عیب



اور معصوم تھے اور کوئی نبی اس صفت میں اُن کا شریک نہ تھا۔ میں نے جواب دیا۔ اگر قرآن مجید میں یہی لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی استعمال ہوا ہوتا تو اس سے صرف یہ ثابت ہوتا کہ آنحضرتؐ اور حضرت مسیحؑ درجہ میں مساوی ہیں مگر میں نے یہ کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُستاد کی طرح ہیں اور مسیح علیہ السلام شاگرد کی طرح۔ چنانچہ قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اسی مادہ سے جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ میرے دعویٰ کی تائید کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

"هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ - (سورة الجمعه)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں خدا تعالیٰ نے اُمیوں کی طرف انہی میں سے رسول کر کے مبعوث کیا وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھکر سُناتا اور انہیں پاک کرتا ہے۔ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزکّی ہونا ظاہر کیا گیا ہے یعنی دوسروں کو مسیح جیسا پاک بنا دینے والا۔ آپ کا خیال تھا کہ قرآن مجید سے حضرت مسیح علیہ السلام کا تمام انبیاء حتّٰی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہونا ثابت ہے لیکن قرآن مجید کی اس آیت کی رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُستاد کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ اور حضرت مسیحؑ شاگرد کا۔ حضرت مسیح علیہ السلام زکی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مزکّی یعنی زکی بنانے والے۔

**دوسری آیت** - میرے دریافت کرنے پر اُس نے دوسری بات یہ پیش کی کہ قرآن مجید میں حضرت مسیح کے نسب کے بے عیب ہونیکا ذکر کیا گیا ہے۔ مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حسب و نسب کا مطلقاً ذکر نہیں کیا گیا۔ میں نے اُس سے

پوچھا - آپ قرآن مجید کو خدا کا کلام مانتے ہیں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا - اُس نے جواب دیا - محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا - مَیں نے کہا - کس نے مسیحؑ کے نسب کو بے عیب ثابت کیا - اِس طرح بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ مسیحؑ کا ہُوا - جو اُستاد کا مرتبہ ہے - مَیں نے کہا - آپ کا استدلال درست نہیں - قرآن مجید انساب کی کتاب تو ہے نہیں کہ سب انبیاء کے حسب ونسب کا ذکر کیا جاتا - حضرت مسیحؑ کے ماں باپ اور ان کے سلسلۂ نسب کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ اُنکے نسب پر طعن کی گئی تھی - خود آپ کی مقدس کتاب انجیل متی کے باب اوّل میں مسیح کا جو نسب نامہ لکھا گیا ہے - اُس میں اُن کی دو دادیاں زنا کار بتائی گئی ہیں - جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اُن کے نبی ہونیکا ذکر کیا تو ساتھ ہی یہ بھی ذکر کر دیا کہ اُن کا سلسلہ نسب بھی پاک اور بے عیب تھا - ظاہر ہے کہ سفید بے داغ کپڑے کو دھونے کی ضرورت نہیں ہوتی - ہاں اگر مَیلا ہو یا اُس میں کوئی دھبہ لگا ہو تو وہ دھویا اور صاف کیا جاتا ہے - محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسب ونسب تمام لوگوں کے نزدیک بے داغ اور پاک وصاف تھا - اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت نہ تھی - اگر آپ کی طرزِ استدلال اختیار کی جائے تو آیت " وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ " سے بآسانی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت مسیحؑ کافر تھے کیونکہ اُن سے کفر کی نفی ایسے رنگ میں نہیں کی گئی جس رنگ میں حضرت سلیمان علیہ السلام سے کی گئی ہے - اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے نفئ کفر کی وجہ بھی یہی تھی کہ اُن پر کفر وشرک کا الزام لگایا گیا تھا ( دیکھو ۱ سلاطین باب ۱۱ )



تیسری آیت اس نے یہ پیش کی کہ قرآن مجید میں حضرت مسیحؑ کے متعلق اَيَّدَهٗ بِرُوْحٍ مِّنْهُ آیا ہے - یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کی رُوح القدس سے تائید کی تھی - مَیں نے کہا حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

" وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ "

کہ مَیں نے اُس میں اپنی رُوح پھونکی اور سب فرشتے اس کیلئے سجدہ میں گر پڑے - حالانکہ مسیح کے لئے کبھی فرشتوں نے سجدہ نہیں کیا - البتہ انجیل متی میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ شیطان نے مسیح سے کہا تھا کہ تم مجھے سجدہ کرو - اور رُوح سے مُراد حضرت جبرائیل ہیں - حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابتؓ سے فرمایا - اُنْشُدْ وَرُوْحُ الْقُدُسِ مَعَكَ کہ تم شعر پڑھو اور رُوح القدس تمہارے ساتھ ہے - اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ صحابہؓ کے حق میں فرماتا ہے - وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (مجادلہ) کہ اللہ تعالیٰ نے رُوح القدس سے اُن کی تائید کی ہے - اور صحابہؓ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد تھے - اس لئے مسیح علیہ السلام بھی جن کی رُوح القدس سے تائید ہوئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں بمنزلہ شاگرد ہوئے - اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے - " عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى کہ انہیں شدید القویٰ نے سکھایا - شدید القویٰ حضرت جبرائیل کی ایک تجلّی کا نام ہے - جیسے رُوح القدس - انجیل میں آتا ہے کہ مسیح پر رُوح القدس کبوتری کی شکل میں نازل ہوئی - لیکن حدیث میں آتا ہے - کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جبرائیل کے ظاہر ہونے کے وقت سارا افق

ان کی تجلی سے معمور تھا۔ کہاں یہ عظیم الشان تجلّی اور کہاں کبوتری :

پھر اُس نے کہا۔ آپ کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آیت بل رفعه الله کے مطابق آسمان پر اُٹھائے گئے اور اب تک زندہ ہیں اور آخری زمانہ میں آسمان سے نازل ہونگے۔ مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عام انسانوں کی طرح وفات پا گئے۔ میں نے کہا۔ آپ کو میرے عقیدے کا علم نہیں۔ میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ وہ حیران ہو کر پوچھنے لگا۔ یہ کیسے؟ میں نے کہا۔ ظاہری لحاظ سے تو سب نبی وفات پا گئے اور آیت بل رفعه الله الیه میں رفع سے مُراد بلندی درجات اور تقرب الی اللہ ہے۔ یہود نے کہا تھا کہ انہوں نے مسیحؑ کو صلیب پر لٹکا کر مار دیا جس سے اُن کا لعنتی ہونا ثابت ہو گیا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ نہ یہود نے اُسے صلیب پر لٹکا کر مارا۔ نہ کسی اور طریق سے قتل کیا۔ اس لئے وہ لعنتی نہیں ہوا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا مقرب تھا۔ اور رفع کا فاعل جب اللہ تعالیٰ ہو اور مفعول کوئی ذی رُوح انسان تو زبان عرب میں اُس کے معنے سوائے تقرب الی اللہ اور رفع درجات کے اور کچھ نہیں ہوتے آسمان پر اٹھانے کے تو کیا۔ کسی پہاڑی یا ٹیلے پر بھی اٹھانے کے نہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں بلعم باعور کے متعلق آتا ہے:۔ "وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ" (اعراف)۔ یعنی ہم چاہتے تو ان آیات کے ساتھ اس کا رفع کرتے لیکن وہ زمین کی طرف جھک گیا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی۔ اس آیت میں تو رفع کے مقابلے میں



ارض (زمین) کا لفظ بھی موجود ہے پھر بھی کوئی مفسر اس آیت میں رفع کے معنی آسمان پر لے جانیکے نہیں لیتا۔ اور حدیث میں آتا ہے۔ اِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ (کنز العمال) کہ جب کوئی بندہ خاکساری اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ساتویں آسمان تک رفع کرتا ہے۔ اس حدیث میں باوجود آسمان کا لفظ موجود ہونے کے کوئی شخص یہ معنے نہیں لیتا کہ خاکساری کرنے والا فی الحقیقت آسمان پر اُٹھا لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں عربی زبان میں رفع الی اللہ کے معنے تقرب الٰہی اور رفع درجات کے ہیں۔ مع جسم آسمان پر اٹھانے کے نہیں۔ پس رفع کے لفظ سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے پھر میں نے کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ظاہری لحاظ سے تو وفات پا چکے ہیں لیکن روحانی افاضہ اور اثر و تاثیر کے لحاظ سے آپ زندہ ہیں اور مسیحؑ مُردہ۔ کیونکہ ان کی پیروی سے اب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کر سکتا نہ مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہو سکتا ہے۔ نہ ان کا دین زندہ ہے نہ ان کی شریعت زندہ ہے اور نہ اب اُن کی روحانی تاثیر باقی ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا افاضۂ روحانی اور تاثیر قدسی جاری ہے۔ اور بندگانِ الٰہی اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔ آپ کا دین زندہ۔ آپ کی کتاب زندہ، آپ کی شریعت زندہ۔ آپ کا افاضۂ روحانی و تاثیر روحانی زندہ ہے۔ اس لئے آپ اور صرف آپ ہی زندہ نبی ہیں۔

اُس نے یہ سُنکر کہا کہ یہ تو نئی بات ہے۔ اور کچھ دیر گفتگو کرکے چلا گیا۔

وَاللّٰهِ إِنِّیْ قَدْ رَأَیْتُ جَمَالَهٗ

۵۵- بِعُیُوْنِ جِسْمِیْ قَاعِدًا بِمَکَانِیْ

ترجمہ - اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے آپ کا جمال ظاہری آنکھوں سے اپنے مکان میں بیٹھے دیکھا۔

هَا إِنْ تَظَنَّیْتَ ابْنَ مَرْیَمَ عَائِشًا

۵۶- فَعَلَیْكَ إِثْبَاتًا مِّنَ الْبُرْهَانِ

ترجمہ - دیکھو: اگر تم بھی ابن مریم کو زندہ خیال کرتے ہو۔ تو دلیل سے ثابت کرنا تمہارا فرض ہے۔

أَفَأَنْتَ لَاقَیْتَ الْمَسِیْحَ بِیَقْظَةٍ

۵۷- أَوْ جَاءَكَ الْأَنْبَاءُ مِنْ یَقْظَانِ

ترجمہ - کیا تم بیداری میں مسیح سے ملے ہو؟ یا کسی جیتے جاگتے نے تمہیں خبر دی ہے کہ وہ زندہ ہیں۔

اُنْظُرْ إِلَی الْقُرْآنِ کَیْفَ یُبَیِّنُ

۵۸- أَفَأَنْتَ تُعْرِضُ عَنْ هُدَی الرَّحْمٰنِ

ترجمہ - قرآن کریم کو دیکھو کہ وہ اُس کی وفات کیسے واضح طور پر



بیان کر رہا ہے۔ کیا تم رحمٰن کی ہدایت سے مُنہ پھیرتے ہو؟

**شرح** - ان اشعار میں زیادہ تر روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ مانتے ہیں۔ اور کسی نامعلوم زمانے میں اُن کے آسمان سے اُترنے کے قائل ہیں۔ اور یہ عقیدہ عیسائیوں کو لوگوں کے گمراہ کرنے میں پُوری مدد دینے والا ہے۔ صاحب قصیدہ اپنے ایک فارسی قصیدہ میں فرماتے ہیں ~

مسیح ناصری را تا قیامت زندہ می فہمند — مگر مدفون یثرب را ندادند ایں فضیلت را

زبوئے نافہ عرفاں چو محروم ازل بودند — پسندیدند در شانِ شہِ خلق ایں مذلت را

ہمہ دُرہائے قرآں را چو خاشاکے بیفگندند — زعلم ناتمام شاں چہا گم گشت ملت را

ہمہ عیسائیاں را از مقال خود مدد دادند — دلیری ہا پدید آمد پرستاران میت را

یعنی یہ لوگ مسیح ناصری کو قیامت تک زندہ سمجھتے ہیں۔ مگر مدفونِ یثرب یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فضیلت نہیں دیتے۔ چونکہ یہ لوگ نافہ عرفان کی خوشبو سے ازلی محروم تھے۔ اس لئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ ذلّت پسند کرلی۔ قرآن کریم کے تمام موتیوں کو کوڑے کرکٹ کی طرح پھینک دیا۔ ان کے ناقص علم کی وجہ سے ملّتِ اسلام کا کسقدر نقصان ہوا۔ انہوں نے اپنے اس عقیدہ سے تمام عیسائیوں کی مدد کی اسوجہ سے مُردہ پرستوں میں بھی دلیری آگئی۔

**وفاتِ مسیح** - حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات قرآن مجید کی متعدد آیات سے ثابت ہے۔ ایک دو آیات بطور مثال درج ذیل ہیں:-

پہلی آیت:- "وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ أَأَنْتَ

ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔

اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت کے روز سوال کریگا۔ کہ کیا تُو نے یہ لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنائیں۔ تو وہ جواب میں کہیں گے:۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِيْ بِهٖ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ۔" (المائدہ)

کہ مَیں نے تو ان سے وہی کہا تھا جس کا تُو نے مجھے حکم دیا تھا۔ اور وہ بالکل صاف اور واضح حکم تھا کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور مَیں اُن کا نگران اور محافظ تھا جب تک مَیں اُن میں رہا۔ مگر جب تُو نے مجھے وفات دیدی تو پھر تُو ہی اُن کا رقیب و محافظ تھا اسلئے مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے مجھے اور میری والدہ کو کب معبود بنایا اور کیونکر بنایا بہر حال میری زندگی میں ایسا نہیں ہوا)

اس آیت سے قطعی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے دو زمانوں کا ذکر کرینگے۔ قوم میں موجودگی کا زمانہ اور عدم موجودگی کا زمانہ۔ ان دونوں زمانوں کے درمیان تَوَفَّيْتَنِيْ یعنی وفات بطور حدِ فاصل ہے جسکا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے اپنی قوم سے جُدا ہونے کا باعث اُنکی وفات ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔



اِس استدلال کی صحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جو حضرت امام بخاریؒ نے اِس آیت کی تفسیر کرنے کیلئے اپنی صحیح میں درج کی ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ حشر کے دن میرے چند صحابہ پکڑ کر بہائے جائینگے تو میں کہوں گا۔ یہ میرے صحابہ ہیں۔

فَيُقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَأَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ فَيُقَالُ إِنَّ هٰؤُلَاءِ لَمْ يَزَالُوْا مُرْتَدِّيْنَ عَلٰى أَعْقَابِهِمْ" (بخاری جلد ۲)

تو یہ کہا جائیگا کہ تجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے تیرے بعد کیا کچھ کیا۔ اور کیا کیا بدعات نکالیں۔ آپ فرماتے ہیں تو مَیں وہی قول کہونگا جو کہ عبد صالح (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کا قرآن مجید کی اس آیت میں مذکور ہے۔ کہ مَیں اس قوم پر نگران اور شہید تھا جب تک اُن میں رہا لیکن جب تُو نے مجھے وفات دے دی تو تُو ہی ان پر رقیب و نگران تھا۔ اور یہ کہا جائیگا کہ جب سے تو ان سے جُدا ہوا۔ وہ اس وقت سے مرتد ہو گئے تھے۔

اس حدیث سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کی تشریح ہو گئی اور ظاہر ہو گیا کہ جیسے مرتد ہونے والے صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہوئے اسی طرح عیسائیوں میں الوہیت مسیح کا عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد پھیلا۔ لہذا اس آیت سے

قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ نہیں بلکہ وفات یافتہ ہیں۔

دوسری آیت :- وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ الآیۃ (آل عمران)

یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف ایک رسول ہیں۔ آپ کے پہلے کے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ پس اگر آپ بھی فوت ہو جائیں یا قتل کئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام رسولوں کی نسبت جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں وفات پا جانے کی خبر دی ہے۔ اور رسولوں کے دنیا سے گذر جانے کے صرف دو طریق قرار دیئے ہیں۔ موت اور قتل۔ اگر کوئی تیسری صورت گذرنے کی ہوتی جیسے آسمان پر چلے جانا تو اس کا بھی اس آیت میں ذکر ہوتا۔ پس اس آیت سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ بھی اُن رسولوں میں شامل ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہو چکے ہیں۔

اجماع صحابہ۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور آپ کی وفات کی خبر مدینہ میں پھیلنی شروع ہو گئی تو صحابہؓ کو آپ کی وفات کا یقین نہیں آتا تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فوت شدہ کہیگا میں اس کی گردن اڑا دونگا۔ تب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اُس روز



ایک خطبہ پڑھا جس میں آپ نے فرمایا :-

"مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ قَالَ اللّٰهُ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ الآیۃ۔

یعنی جو تم میں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کرتا تھا تو وہ سُن لے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو فوت ہو چکے ہیں۔ اور جو تم میں سے اللہ کا پرستار ہے تو اللہ تعالیٰ یقیناً ہمیشہ زندہ ہے اور اس پر کبھی موت نہیں آئیگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اللہ تعالیٰ کے ایک رسول ہیں۔ اور آپ سے پہلے جسقدر رسول آئے وہ وفات پا چکے ہیں (اور یہ آیت پوری پڑھ کر سُنائی)

بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے :- "فَتَلَقَّاهَا النَّاسُ كُلُّهُمْ فَمَا اَسْمَعُ بَشَرًا مِنَ النَّاسِ اِلَّا يَتْلُوْهَا" کہ یہ آیت تمام لوگوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے سُن کر یاد کر لی۔ پس میں ہر ایک شخص کو اس دن اس آیت کو تلاوت کرتے ہوئے سُنتا تھا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے جب یہ آیت پڑھی تو اُسے سُنکر مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ میں کھڑا نہ رہ سکا اور زمین پر گر گیا اور میں نے سمجھ لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فی الواقعہ وفات پا چکے ہیں۔ اگر اُسوقت حضرت عمرؓ یا کسی اور صحابیؓ کا یہ ایمان ہوتا کہ حضرت عیسیٰؑ

آسمان پر بجسدِ عنصری زندہ موجود ہیں تو وہ یہ کہنے سے کس طرح رُک سکتے تھے
کہ حضرت عیسیٰؑ بھی تو رسول ہی تھے وہ کیسے زندہ ہیں! لیکن کسی صحابیؓ نے
یہ نہیں کہا اور تمام صحابیوں خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ نہ کہنا
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اس دلیل سے کہ آپ سے
پہلے آنے والے تمام رسول وفات پا چکے ہیں یقین کر لینا اس امر کی
دلیل قطعی ہے کہ تمام صحابہؓ جس طرح ان سب رسولوں کی وفات کے
قائل تھے اسی طرح حضرت مسیحؑ کی وفات کے بھی۔

**تاریخ**۔ جب ہم تاریخ اسلامی پر نظر ڈالتے ہیں تو صاف
معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے
اگر کوئی شخص عیسائی خیالات کے اثر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی
وفات کے بارے میں شبہ بھی رکھتا ہو تو رکھتا ہو لیکن آپؐ کی وفات
پر تو کسی کو بھی یہ شبہ باقی نہیں رہا۔ اور تمام صحابہؓ کو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے پہلے گذرے ہوئے تمام انبیاء کی وفات کا پُوری
صفائی کے ساتھ کامل یقین ہو گیا۔

مُرتدین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو آپکی تکذیب
کی وجہ بنا لیا تھا اور وہ کہتے تھے۔ لَوْ کَانَ مُحَمَّدٌ نَبِیًّا مَا مَاتَ۔
اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہوتے تو وفات نہ پاتے۔ اس کا جواب
قرآن مجید سے یہی دیا گیا کہ آپ سے پہلے جسقدر بھی انبیاء آئے۔ وہ
سب وفات پا چکے ہیں اس لئے آپ کا وفات پا جانا بھی آپ کی



شانِ نبوت کے منافی نہیں۔ مگر مخالفین کا فتنہ تمام قبائل میں پھیل گیا۔ اور
اس بنا پر کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی تھے تو فوت کیوں ہو گئے۔
اہلِ بحرین و حطم وغیرہ قبائل مُرتد ہو گئے۔ چنانچہ مشہور مؤرخ ابن جریر
الطبری جارود بن معلّٰی کے قبیلے عبد القیس کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

"انہیں اسلام میں داخل ہوئے تھوڑی ہی مدت ہوئی تھی
جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو اُن کے
قبیلے عبد القیس نے کہا کہ اگر محمدؐ نبی ہوتے تو وہ کبھی فوت
نہ ہوتے اور سب مُرتد ہو گئے۔ جب اس کی اطلاع جارود کو
ہوئی۔ تو انہوں نے سب کو جمع کیا اور کہا۔ اے گروہِ عبد القیس!
مَیں تم سے ایک بات پُوچھتا ہوں اگر تم اسے جانتے ہو تو
بتانا۔ انہوں نے کہا۔ جو چاہو پُوچھو۔ جارود نے کہا جانتے ہو
کہ گذشتہ زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے نبی دنیا میں آچکے ہیں:
انہوں نے کہا۔ ہاں۔ جارود نے کہا۔ پھر کیا ہوا؟ انہوں نے
کہا۔ وہ فوت ہو گئے۔ جارود نے کہا۔ اسی طرح محمد صلی اللہ
علیہ وسلم بھی انتقال فرما گئے۔ جس طرح سابقہ انبیاء دنیا
سے اُٹھ گئے۔ مَیں اعلان کرتا ہوں کہ لا اِلٰہ اِلّا اللہ و انّ
محمّداً عبدہٗ و رسولہٗ۔ انکی قوم نے کہا۔ ہم بھی شہادت دیتے
ہیں کہ سوائے اللہ کے کوئی حقیقی معبود نہیں اور بے شک محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) اُس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور ہم تم کو اپنا

برگزیدہ اور سردار تسلیم کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اسلام پر ثابت قدم ہو گئے۔" (ترجمہ تاریخ طبری جلد اول حصہ چہارم ص ۹۴-۹۵ مطبوعہ حیدرآباد دکن)

اس تاریخی واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتدین نے اپنے ارتداد کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات پا جانا قرار دیا تھا۔ اور ان کی یہ وجہ آپ سے پہلے تمام نبیوں کی وفات پیش کر کے رد کی گئی اور ظاہر ہے کہ یہ دلیل صرف اسی صورت میں درست ہو سکتی تھی جب کہ آپ سے پہلے گزرے ہوئے کل نبیوں کی وفات تسلیم کی جاتی۔ اگر ایک کو بھی وفات یافتہ نہ مانا جاتا۔ تو پھر یہ دلیل درست نہ رہتی۔ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا اس امر پر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ لیکن بعد میں جب مسلمانوں کو پے در پے فتوحات ہوئیں اور عیسائی جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے۔ اور اُن کی تربیتِ دینی کما حقہٗ نہ ہو سکی تو اُن کے ذریعہ مسلمانوں میں وہ خیالات پھیلنے شروع ہو گئے جو وہ اسلام لانے سے پہلے رکھتے تھے۔ اور چونکہ عیسائی اور یہودی اہل کتاب اور اہل علم سمجھے جاتے تھے۔ اُن کے ایمان لے آنے پر عام مسلمان اُن کی باتوں کو توجہ سے سُننے لگے اور رفتہ رفتہ آہستہ آہستہ قرآن مجید کی آیتوں کا مطلب اُن کے خیالات کے مطابق لیا جانے لگا۔ چنانچہ تفاسیر میں وہب بن منبہ سے آیت إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ کی تفسیر کی ذیل میں یہ قول نقل کیا ہے:۔

اماتہ اللہ ثلاثۃ ایام ثم بعثہ ثم رفعہ۔"



کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو تین دن تک وفات دی پھر انہیں زندہ کیا۔ پھر انہیں اُٹھا لیا۔

اسی طرح سعید ابن المسیب نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے:۔

رُفع عیسیٰ وھو ابن ثلاث وثلاثین سنۃ. رفعہ اللہ من بیت المقدس (فتح البیان) کہ عیسیٰ تینتیس سال کی عمر میں اُٹھائے گئے اور اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس سے ان کا رفع کیا۔

اِن دونوں قولوں میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ موجودہ اناجیل میں بالصراحت موجود ہے (دیکھو مرقس باب ۱۵ و لوقا باب ۲۴ و رسولوں کے اعمال باب ۱)

اور صاحب تفسیر فتح البیان بحوالہ زاد المعاد مؤلفہ امام ابن القیم یہ لکھ کر کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۳۳ سال کی عمر میں آسمان پر اُٹھائے گئے اس کے متعلق کوئی صحیح روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں۔ تحریر فرماتے ہیں کہ امام شامی نے کہا ہے:۔

"وھو کما قال فان ذٰلک انما یروی عن النصاری والمصرح فی الاحادیث النبویۃ انہ رفع وھو ابن مائۃ وعشرین سنۃ" (فتح البیان جلد ۲ ص ۴۹) کہ امام ابن قیم کی بات درست ہے کیونکہ یہ بیان عیسائیوں کا ہے اور احادیث نبویہ میں تصریح سے آیا ہے کہ اُن کا رفع اس وقت ہوا جبکہ اُن کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔

ہم کہتے ہیں۔ احادیث میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک سو بیس سال کی عمر پانے کا ذکر تو ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ ہی یہ بھی

فرمایا ہے کہ میری عمر ان سے نصف ہوگی۔ لیکن اُن کے رفع کا احادیث میں کوئی ذکر نہیں۔ یہ عقیدہ تو درحقیقت نومسلم عیسائیوں کے ذریعہ مسلمانوں میں آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں۔ اور جیسا کہ ہم نے تفصیل سے اوپر بیان کر دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں تھا۔ وہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے قائل تھے۔ اور دوسری صدی میں حضرت امام مالکؒ بھی جو چار ائمہ فقہ میں سے پہلے امام ہیں جن کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فوت ہو جانے کے قائل تھے۔ چنانچہ امام محمد طاہرؒ لکھتے ہیں:۔

" والاکثر ان عیسیٰ لم یمت وقال مالک مات "

(مجمع البحار جلد ۱ صفحہ ۲۸۶)

کہ اکثر تو یہی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں مرے۔ لیکن امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا ؎

بدنیا گر کسے پائندہ بودے ابوالقاسم محمدؐ زندہ بودے

۵۹- فَاعْلَمْ بِاَنَّ الْعَيْشَ لَيْسَ بِثَابِتٍ
بَلْ مَاتَ عِيْسٰى مِثْلَ عَبْدٍ فَانٍ

**معانی الالفاظ** - ثابت: ہمیشہ رہنے والا۔

**ترجمہ** - جان لو کہ زندگی قائم و دائم نہیں۔ بلکہ عیسیٰؑ ایک فانی



بندے کی طرح وفات پا گئے ہیں۔

**شرح** - دیوان خنساء میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت خنساءؓ اپنے بھائی کو رو رہی تھیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُن کے گھر کے پاس سے گذرے تو آپ نے انہیں صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا۔ "لو خلد احد لخلد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔ کہ اگر کوئی زندہ چھوڑا جا سکتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص تھے جو زندہ رکھے جاتے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

" وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ۔ أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۔ " (انبیاء ع ۳)

کہ اے رسول! ہم نے تم سے پہلے کسی بشر کو غیر طبعی زندگی عطا نہیں کی بھلا ہو سکتا ہے کہ تُو تو مر جائے اور وہ زندہ رہیں۔

اس آیت میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ رکھی تو وہ چیز جاتی ہے جو سب سے زیادہ نافع ہو۔ اس لئے اگر کوئی زندہ رکھا جا سکتا تھا تو وہ تیرا وجود باجود تھا۔ جب تجھے غیر طبعی زندگی نہیں دی گئی تو اور کسی کو کیسے دی جا سکتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

ولو ان انسانا یطیر الی السماء
لکان رسول اللہ اولٰی واجدر

کہ اگر کوئی انسان آسمان تک پرواز کر سکتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ لائق اور مستحق ہوتے۔

۶۰- وَنَبِيُّنَا حَيٌّ وَإِنِّيْ شَاهِدٌ
وَقَدِ اقْتَطَفْتُ قَطَائِفَ اللُّقْيَانِ

**معانی الالفاظ** اقتطف الثمر: درخت سے میوہ توڑا۔ اقتطف الشيء: جلدی جلدی چیز کو لیا۔ اقتطف الکلام: کلام کا خلاصہ نکال لیا۔

**ترجمہ** ۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ اور میں گواہ ہوں۔ اور میں آپ کی ملاقات کے ثمرات سے بہرہ مند ہوا ہوں۔

۶۱- وَرَأَيْتُ فِيْ رَيْعَانِ عُمْرِيْ وَجْهَهٗ
ثُمَّ النَّبِيُّ بِيَقْظَتِيْ لَاقَانِيْ

**معانی الالفاظ** رَيْعَان: کسی چیز کا اوّل اور افضل حصّہ۔ ریعان الشباب: عنفوانِ جوانی۔

**ترجمہ** ۔ میں نے آغاز جوانی میں آپ کا روئے مبارک دیکھا۔ پھر آپ نے بیداری کی حالت میں مجھے شرف ملاقات بخشا۔

**تشریح** ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے محبوب اپنے سیّد و مولا فخر الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار خواب اور کشفی حالت میں دیکھا ہے۔ یہاں میں آئینۂ کمالات اسلام سے جس میں یہ قصیدہ درج ہے آپ کا ایک خواب نقل کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

" اوائل ایام جوانی میں ایک رات میں نے دیکھا۔ کہ میں ایک



عالیشان مکان میں ہوں۔ جو نہایت پاک اور صاف ہے۔ اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور چرچا ہو رہا ہے۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ حضور کہاں تشریف فرما ہیں؟ انہوں نے مجھے اس مکان کے ایک کمرہ کا پتہ دیا۔ میں اس کے اندر چلا گیا۔ اور جب میں حضور کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا تو حضور بہت خوش ہوئے۔ اور آپ نے مجھے سلام کا بہترین طور پر جواب دیا آپ کا حسن و جمال اور ملاحت اور مجھ پر آپ کی شفقت و محبت کی نگاہ مجھے اب تک یاد ہے اور وہ کبھی بھول نہیں سکتی۔ آپ کی محبت نے مجھے فریفتہ کر لیا اور آپ کے حسین و جمیل چہرہ نے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اُس وقت آپ نے مجھے فرمایا کہ اے احمد! تیرے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ جب میں نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ میرے ہاتھ میں ایک کتاب ہے اور وہ مجھے اپنی ہی ایک تصنیف معلوم ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ حضور یہ میری ایک تصنیف ہے۔"[1]

براہین احمدیہ میں فرماتے ہیں:۔

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کو دیکھ کر عربی زبان میں پوچھا کہ تو نے اس کتاب کا کیا نام رکھا ہے؟

[1] آئینۂ کمالات اسلام ترجمہ از عربی عبارت۔

خاکسار نے عرض کیا کہ اس کتاب کا نام مَیں نے قُطبی رکھا ہے - جس نام کی تعبیر اب اس اشتہاری کتاب (یعنی براہین احمدیہ) کی تالیف، ہونے پر کُھلی کہ وہ ایسی کتاب ہے کہ جو قطب ستارہ کی طرح غیر متزلزل اور مستحکم ہے جس کے کامل استحکام کو پیش کرکے دس ہزار روپے کا اشتہار دیا گیا ہے -

غرض آنحضرتؐ نے وہ کتاب مجھ سے لے لی اور جب وہ کتاب حضرت مقدس نبویؐ کے ہاتھ میں آئی تو آنجنابؐ کے ہاتھ لگتے ہی ایک نہایت خوشرنگ اور خوبصورت میوہ بن گئی جو امرود سے مشابہ تھا مگر بقدر تربوز تھا - آنحضرتؐ نے جب اُس میوہ کو تقسیم کرنے کے لئے قاش قاش کرنا چاہا تو اسقدر اُس میں سے شہد نکلا کہ آنجنابؐ کا ہاتھ مبارک مرفق تک شہد سے بھر گیا - تب ایک مُردہ جو دروازہ سے باہر پڑا تھا آنحضرتؐ کے معجزہ سے زندہ ہو کر اس عاجز کے پیچھے آ کھڑا ہُوا اور یہ عاجز آنحضرتؐ کے سامنے کھڑا تھا جیسے ایک مستغیث حاکم کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور آنحضرت بڑے جاہ و جلال اور شان حاکمانہ سے ایک زبردست پہلوان کی طرح کرسی پر جلوس فرما رہے تھے -

خلاصہ کلام یہ کہ ایک قاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس غرض سے دی کہ تا مَیں اس شخص کو دوں جو نئے سرے



زندہ ہُوا اور باقی تمام قاشیں میرے دامن میں ڈال دیں - اور وہ ایک قاش میں نے اس نئے زندہ کو دے دی اور اُس نے وہیں کھالی - پھر جب وہ نیا زندہ اپنی قاش کھا چکا تو مَیں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ کی کُرسی مبارک اپنے پہلے مکان سے بہت ہی اونچی ہو گئی اور جیسے آفتاب کی کرنیں چھوٹتی ہیں ایسا ہی آنحضرتؐ کی پیشانی مبارک متواتر چمکنے لگی - کہ جو دین اسلام کی تازگی اور ترقی کی طرف اشارت تھی - تب اُسی نُور کو مشاہدہ کرتے کرتے میری آنکھ کھل گئی - والحمد للہ علیٰ ذالک[ف۱] "

اور آپ نے ایک فارسی قصیدہ میں جو اسی آئینۂ کمالات اسلام میں درج ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اِن الفاظ میں ذکر کیا ہے ؎

یاد کن وقتیکہ در کشفم نمودی شکل خویش ۔ یاد کن ہم وقتِ دیگر کآمدی مشتاق وار
یاد کن آں لطف و رحمتہا کہ بامن داشتی ۔ واں بشارتہا کہ میدادی مرا از کردگار
یاد کن وقتے چو بنمودی بہ بیداری مرا ۔ آں جمالے آں رُخے آں صورتے رشکِ بہار

یعنی اے میرے محبوب! آپ وہ وقت یاد فرمائیں جب آپ نے کشف میں مجھے اپنی شکل دکھائی تھی - اور ایک اَور موقعہ بھی یاد فرمائیں جب آپ میرے پاس مشتاقانہ تشریف لائے تھے - ان مہربانیوں اور رحمتوں کو بھی یاد فرمائیں جو آپ نے مجھ پہ فرمائی تھیں - اور اُن بشارتوں کو بھی جو آپ اللہ تعالیٰ

ف۱ براہین احمدیہ حصہ سوم ص۲۴۸ و ص۲۴۹ حاشیہ در حاشیہ نمبر۱ -

کی طرف سے مجھے دیتے تھے۔ وہ وقت بھی یاد فرمائیں جب بیداری میں آپ نے مجھے اپنا وہ جمال وہ چہرہ اور وہ صورت دکھائی تھی جو رشکِ بہار تھی۔

۶۲- إِنِّي لَقَدْ أُحْيِيتُ مِنْ إِحْيَائِهِ
وَاهًا لِإِعْجَازٍ فَمَا أَحْيَانِي

**ترجمہ** - مَیں آپ کے زندہ کرنے سے زندہ ہوا ہوں۔ سبحان اللہ! کیا اعجاز ہے اور آپ نے کیا ہی اچھا مجھے زندہ کیا ہے۔

**شرح** - اوپر کے چند اشعار میں اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ ہمیشہ کے لئے زندہ نبی اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں۔ وہ وفات پا چکے ہیں اور اُن کی تاثیرِ قدسی اور روحانیت کا دَور ختم ہو چکا ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی اور تاثیرِ روحانی ہمیشہ کے لئے زندہ اور جاری وساری ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روحانی زندگی کے ثبوت میں آپ نے اپنے وجود کو پیش کیا ہے اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت دیگر تمام انبیاء پر اور اسلام کی صداقت دیگر ادیان پر ثابت کی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

"اور مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کا نام لیکر جھوٹ بولنا سخت بدذاتی ہے کہ خدا نے مجھے میرے بزرگ



واجب الاطاعت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی دائمی زندگی اور پورے جلال کا یہ ثبوت دیا ہے کہ مَیں نے اس کی پیروی سے اور اسکی محبت سے آسمانی نشانوں کو اپنے اوپر اُترتے ہوئے اور دل کو یقین کے نُور سے پُر ہوتے ہوئے پایا اور اسقدر نشانِ غیبی دیکھے کہ اِن کُھلے کُھلے نُوروں کے ذریعہ سے مَیں نے خدا کو دیکھ لیا ہے۔"

(تریاق القلوب صہ)

اور فرماتے ہیں:-

"سو مَیں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اس نعمت سے کامل حصہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی۔ اور میرے لئے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر مَیں اپنے سیّد و مولیٰ فخر الانبیاء خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہوں کی پیروی نہ کرتا۔ سو مَیں نے جو کچھ پایا اس کی پیروی سے پایا۔ اور مَیں سچے اور کامل علم سے جانتا ہوں کہ کوئی انسان بجز پیروی اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔"

(حقیقۃ الوحی صہ ۶۲)

اور فرماتے ہیں:-

"مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اسلام ایسے بدیہی طور پر سچا ہے کہ اگر تمام کفار روئے زمین کے دُعا کرنے کیلئے ایک طرف

کھڑے ہوں اور ایک طرف میں اکیلا اپنے خدا کی جناب میں کسی امر کیلئے رجوع کروں تو خدا میری ہی تائید کریگا۔ مگر نہ اسلئے کہ سب سے مَیں ہی بہتر ہوں بلکہ اسلئے کہ مَیں اس کے رسولؐ پر دلی صدق سے ایمان لایا ہوں۔ اور جانتا ہوں کہ تمام نبوتیں اس پر ختم ہیں اور اس کی شریعت خاتم الشرائع ہے۔ مگر ایک قسم کی نبوت ختم نہیں یعنی وہ نبوت جو اُس کی کامل پیروی سے ملتی ہے اور جو اس کے چراغ میں سے نُور لیتی ہے وہ ختم نہیں کیونکہ وہ محمدی نبوت ہے یعنی اس کا ظل ہے، اور اُسی کے ذریعہ سے ہے اور اُسی کی مظہر ہے۔ اور اُسی سے فیضیاب ہے۔ خدا اس شخص کا دشمن ہے جو قرآن شریف کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہے اور محمدی شریعت کے برخلاف چلتا ہے اور اپنی شریعت چلانا چاہتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہیں کرتا بلکہ آپ کچھ بننا چاہتا ہے۔ مگر خدا اس شخص سے پیار کرتا ہے جو اس کی کتاب قرآن شریف کو اپنا دستور العمل قرار دیتا ہے اور اسکے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو درحقیقت خاتم الانبیا سمجھتا ہے اور اس کے فیض کا اپنے تئیں محتاج جانتا ہے۔ بس ایسا شخص خدا تعالیٰ کی جناب میں پیارا ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کا پیار یہ ہے کہ اس کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس کو اپنے مکالمہ مخاطبہ سے مشرف کرتا ہے اور اس کی حمایت میں اپنے نشان ظاہر کرتا ہے۔" (چشمہ معرفت ص۳۲۴)



اور فرماتے ہیں:—

"پادریوں کی تکذیب انتہا تک پہنچ گئی تو خدا نے حجت محمدیہ پُوری کرنے کے لئے مجھے بھیجا۔ کہاں ہیں پادری تا میرے مقابل پر آویں۔ مَیں بے وقت نہیں آیا۔ مَیں اُس وقت آیا جب اسلام عیسائیوں کے پَیروں کے نیچے کچلا گیا ...... اور کئی لاکھ مسلمان مُرتد ہو کر خدا اور رسول کے دشمن ہو گئے .... بھلا اب کوئی پادری تو میرے سامنے لاؤ جو یہ کہتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی پیشگوئی نہیں کی۔ یاد رکھو! وہ زمانہ مجھ سے پہلے ہی گذر گیا۔ اب وہ زمانہ آگیا جس میں خدا یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ رسول محمدؐ عربی جس کو گالیاں دی گئیں جس کے نام کی بے عزتی کی گئی، جس کی تکذیب میں بدقسمت پادریوں نے کئی لاکھ کتابیں اس زمانہ میں لکھ کر شائع کر دیں وہی سچا اور سچوں کا سردار ہے۔ اس کے قبول میں حد سے زیادہ انکار کیا گیا۔ مگر آخر اُسی رسول کو تاج عزت پہنایا گیا۔ اس کے غلاموں اور خادموں میں سے ایک مَیں ہوں جس سے خدا مکالمہ مخاطبہ کرتا ہے اور جس پر خدا کے غیبوں اور نشانوں کا دروازہ کھولا گیا ہے۔ اے نادانو! تم کفر کہو یا کچھ کہو، تمہاری تکفیر کی اس شخص کو کیا پروا ہے جو خدا کے حکم کے موافق دین کی خدمت میں مشغول ہے اور اپنے اوپر خدا کی عنایات کو بارشں کی طرح

دیکھتا ہے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۷۳ و ۲۷۴)

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور تاثیر قدسی کی برکت سے جو تازہ نشانات آپ کے ہاتھ پر ظاہر کئے انہیں پیش کر کے آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ نبی ہونا اور اسلام کا زندہ مذہب ہونا اور قرآن مجید کا زندہ کتاب ہونا ثابت کیا ہے۔

۶۳- يَا رَبِّ صَلِّ عَلٰى نَبِيِّكَ دَائِمًا
فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا وَبَعْثٍ ثَانِي

**ترجمہ** - اے میرے رب! اپنے نبی پر ہمیشہ درود بھیج۔ اس دنیا میں بھی اور دوسرے عالم میں بھی۔

**شرح** - چونکہ گذشتہ اشعار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا ذکر تھا اور اُن انعاماتِ الٰہیہ کا جو آپ کے ذریعہ مصنف قصیدہ پر ہوئے اس لئے ان کے خیال سے طبعی طور پر آپ کے دل میں دُعا کا جوش پیدا ہوا اور آپ نے اِس شعر میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ وہ اِس دُنیا میں بھی آپ کے درجات بلند کرے اور آخرت میں بھی۔ اور آپ پر ہمیشہ اپنی رحمت کی بارش نازل فرماتا رہے۔ اور درود کا ذکر اس لئے بھی کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور محبت کرنے کے صلہ ہی میں آپ کو تمام برکات روحانی عطا ہوئی ہیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل اس الہام کی تشریح میں جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو



آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا حکم دیا تحریر فرماتے ہیں:-

"صلِّ علی محمّد و آلِ محمّد سیّدِ ولدِ آدم و خاتم النّبیّین درود بھیج محمدؐ اور آلِ محمدؐ پر جو سردار ہے آدم کے بیٹوں کا اور خاتم الانبیاء ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سب مراتب اور تفضّلات اور عنایات اسی کے طفیل سے ہیں اور اس سے محبت کرنے کا یہ صلہ ہے۔ سبحان اللہ! اس سرورِ کائنات کے حضرتِ احدیّت میں کیا ہی اعلیٰ مراتب ہیں اور کس قسم کا قرب ہے کہ اس کا محب خدا کا محبوب بن جاتا ہے اور اس کا خادم ایک دنیا کا مخدوم بنایا جاتا ہے۔

... اس مقام میں مجھ کو یاد آیا کہ ایک رات اس عاجز نے اِس کثرت سے درود شریف پڑھا کہ دل و جان اس سے معطّر ہوگیا۔ اُسی رات خواب میں دیکھا کہ فرشتے آبِ زلال کی شکل میں نُور کی مشکیں اس عاجز کے مکان میں لئے آتے ہیں اور ایک نے اُن میں سے کہا کہ یہ وہی برکات ہیں جو تو نے محمدؐ کی طرف بھیجی تھیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم"[1]

۶۴- يَا سَيِّدِي قَدْ جِئْتُ بَابَكَ لَاهِفًا
وَالْقَوْمُ بِالْإِكْفَارِ قَدْ اٰذَانِي

**معانی الالفاظ** لَاهِف: بے بس۔ فریادی جو دادرسی کا خواہاں ہو۔ مظلوم۔ لاهف القلب۔ سوختہ دل۔ دل جلا۔

**ترجمہ** - اے میرے آقا! میں بے بس مظلوم فریادی بن کر تیرے دروازے پر

[1] براہین احمدیہ حصّہ چہارم۔

حاضر ہوا ہوں بجائیکہ قوم نے مجھے کافر کہہ کر سخت ستایا ہے۔

**شرح** : غور کرو۔ اس شخص کے دل کی کیفیت کیا ہوگی جو ایک بار نہیں صدہا بار اقرار کرتا ہے کہ مجھے جو کچھ ملا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے ملا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ نبی ہونے اور اسلام کے زندہ مذہب ہونے اور قرآن مجید کے زندہ کتاب ہونے کی دلیل ہے اور اس نے اپنی ساری زندگی خدمتِ اسلام اور دیگر مذاہب پر اس کی فوقیت اور برتری ثابت کرنے میں گذاری ہو لیکن پھر بھی وہ ان لوگوں کی طرف سے جو اپنے آپ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں بے حد و بے نہایت ستایا گیا۔ لعنت و ملامت کے تیروں کا نشانہ بنایا گیا۔ کذاب و مفتری و کافر ٹھہرایا گیا۔ اسکا نام دجال اور شیطان رکھا گیا۔ مجلسوں میں نفرین کے ساتھ پکارا گیا۔ ہر ایک نے اُسے گالی دینا اجرِ عظیم سمجھا ہو۔ آخر وہ اپنے محبوب سے شکوہ کرتا ہے کہ اے میرے محبوب! ان لوگوں نے جو اپنے آپکو تیری طرف منسوب کرتے ہیں میری حد درجہ تکفیر و تکذیب کی ہے۔ اس لئے میں تیرے دربارِ عالی سے داد رسی کا خواہاں ہوں۔

آپ کے وقت کے مشہور اکابر علماء کے چند فقرات ملاحظہ ہوں۔ جو انہوں نے اپنے فتووں میں ۱۸۹۱ء میں استعمال کئے ہیں۔

شیخ الکل مولوی سید نذیر حسین اور دیگر علماء نے لکھا:۔

"مرزا قادیانی تیس دجالوں میں سے ایک ہے جنکی خبر حدیث میں موجود ہے اور اس کے پیرو ذریاتِ دجال ہیں مسلمانوں کو چاہیئے کہ



ایسے دجال سے احتراز کریں۔ اور اس سے دینی معاملات نہ کریں جو اہل اسلام میں باہم ہونے چاہئیں۔ نہ اس کی صحبت اختیار کریں۔ نہ اسکی دعوت قبول کریں۔ نہ اس کے پیچھے اقتدا کریں اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھیں ..... وہ اور اس جیسے لوگ دین کے چور ہیں۔ اور دجالین کذابین ملعون شیاطین سے ہیں ..... اس کذاب قادیانی کے کفر میں کوئی شک نہیں۔ وہ قطعاً کافر و مرتد ہے ..... وہ بڑا بھاری دجال ہے ..

... وہ دائرہ اسلام سے خارج اور ملحد اور زندیق ہے .... وہ کافر ہے اور بدکردار .... بدترین خلائق اور خدا کا دشمن .... جو اس کے گمراہ ہونے میں شک کرے وہ بھی ایسا ہی گمراہ ہے۔ وہ کافر بلکہ اکفر ہے ..... وہ اُس شیطان سے بھی زیادہ گمراہ ہے جو اس سے کھیل رہا ہے۔ اسکو مسلمانوں کی قبر میں دفن نہ کیا جائے .. وہ نبیوں کا دشمن ہے اور خدا اسکا دشمن ہے ..... جو شخص قادیانی کے موافق اعتقاد رکھتا ہے وہ بھی مردود ہے۔ مرزا قادیانی دجال اور مضل بلکہ دجاجلہ کا رأس رئیس ہے۔ ان کی عورتوں کے نکاح باقی نہیں ہے جو چاہے اُن سے نکاح کر سکتا ہے۔[1]"

ابو سعید مولوی محمد حسین بٹالوی نے آپکو سخت گالیاں دیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو:۔

"اسلام کا چھپا دشمن۔ مسیلمہ ثانی۔ دجال زمانی۔ نجومی۔ رملی۔ جوتشی۔ جعفری۔ بھنگڑ۔ اوڑپوپو۔ مکار جھوٹا۔ فریبی۔ ملعون۔ اعور الدجال۔ بے ایمان۔ روسیاہ۔ ظلام۔ افاک۔ مفتری علی اللہ

[1] فتوی علمائے ہند و عرب و فتوی علمائے لدھیانہ اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ صفحہ ۲

مورد ہزار لعنت - دہریہ - جہاں کے احمقوں سے زیادہ احمق - جس کا خدا شیطان - یہودی جس کی جماعت بدکردار - زانی - شرابی - جواخور اس کے پیرو خراں بے تمیز" وغیرہ (اشاعۃ السنہ جلد ۱۶ ۱۸۹۳ء)

آپ فارسی قصیدہ میں اس تکفیر و تکذیب کی شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اس طرح کرتے ہیں ؂

آنچہ مارا از دو شیخ شوخ آزار آمدہ رسید ... یا رسول اللہ بپرس از عالمِ ذوالاقتدار

حال ما و شوخیٔ ایں ہر دو شیخ بدزباں ... جملہ میداند خدائے حال دان و بُردبار

نام من دجال و ضال و کافرے بنہادہ اند ... نیست اندر زعمِ شاں چوں من پلید و زشت و خوار

ہیچ کس را بر منِ مظلوم و غمگیں دل نسوخت ... جز تو کاندر خوابہا رحمت نمودی بارہا

یعنی ہمیں ان دو مولوی مولویوں (یعنی مولوی نذیر حسین دہلوی اور محمد حسین بٹالوی) سے جو آزار پہنچے ہیں اے رسول اللہ! آپ اسکا حال بڑے اقتدار والے علیم و خبیر سے پوچھیے ہمارے حال اور ان دونوں شیخوں کی شوخی سب کو واقف الحال و بُردبار خدا خوب جانتا ہے - انہوں نے میرا نام دجال و گمراہ اور کافر رکھ چھوڑا ہے - اور ان کے خیال میں میری طرح اور کوئی ناپاک بد اور ذلیل نہیں - مجھ مظلوم اور غمگین کیلئے کسی کا دل نہ جلا سوائے تیرے جس نے خوابوں میں مجھ پر بار بار مہربانی فرمائی -

۶۵ - یَفْرِیْ سِھَامُکَ قَلْبَ کُلِّ مُحَارِبٍ
وَیَشُجُّ عَزْمُکَ ھَامَۃَ الثُّعْبَانِ

**معانی الالفاظ** - یفری - فری سے مضارع کا صیغہ ہے - اس نے کاٹا یا چیرا -



یَشُجُّ زخمی کرتا ہے یا پھوڑتا ہے - ھَامَۃٌ - کھوپری یا جثہ - الثعبان - اژدہا - سانپ - نر و مادہ دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے - اسکی جمع ثعابین ہے -

**ترجمہ** - تیرے تیر ہر محارب کے دل کو چیرتے ہیں - اور تیرا عزم اژدہے کے سر کو کچل ڈالتا ہے -

**شرح** - اس شعر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کرنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کا تعلق اس قسم کا ہے کہ آپ کا کوئی دشمن سزا سے نہیں بچ سکتا - مجھے کافر کہنے والے اور آپ کا دشمن قرار دینے والے اگر صادق ہیں تو میں تباہ ہو جاؤنگا لیکن اگر وہ میری تکفیر و تکذیب میں جھوٹے ہیں اور میں تیرا عاشق صادق ہوں تو تیری عنایات و توجہات انہیں بے سزا نہیں چھوڑیں گی - چنانچہ ایسا ہی ہوا - آج ان مکفرین علماء کا کوئی نام لیوا نہیں - وہ دنیا سے ایسے مٹ گئے کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا - مولوی محمد حسین بٹالوی جس نے تکفیر کا بیڑا اُٹھایا تھا اور علمائے پنجاب و ہندوستان سے شہر بہ شہر جا کر فتویٰ تکفیر حاصل کیا تھا اُسے اللہ تعالیٰ نے حد درجہ ذلیل کیا - حضرت امام جماعت احمدیہ تفسیر کبیر میں اس کے متعلق فرماتے ہیں :-

" انہوں نے ایک دفعہ بڑی تعلّی کے ساتھ یہ کہا تھا کہ میں نے ہی مرزا صاحب کو اونچا کیا تھا اور اب میں ہی ان کو نیچا گراؤنگا - مگر اس کے بعد انہوں نے حضرت مرزا صاحب کو کیا گرانا تھا خود ہی ذلیل ہوتے گئے - یہاں تک کہ اُن کے دو بیٹے بھاگ کر

قادیان میں میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ ہمارا باپ اتنا بے غیرت ہے کہ وہ ہمیں کہتا ہے ہم کسی یتیم خانہ میں داخل ہو جائیں۔ وہ ہمیں ہر وقت مارتا پیٹتا ہے اور ہم سے ذلیل کام لیتا ہے۔ ہم اب اس کے پاس نہیں رہنا چاہتے۔ مَیں نے ان دونو کا وظیفہ لگا دیا اور انہیں قادیان میں تعلیم دلائی۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے کہلا بھیجا۔ کہ اس میں میری بڑی ذلت ہے۔ اِن کو قادیان سے نکال دیں۔ مگر مَیں نے کہا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ میرے پاس مدد کے لئے آئیں اور مَیں ان کو نکال دوں۔ اس کے بعد وہ دونو احمدی ہو گئے۔ اور آخر مولوی صاحب زور دیکر ان کو واپس لے گئے۔ مگر پھر بھی اُن سے ایسا سلوک کیا کہ ان میں سے ایک تو مر گیا ہے اور دوسرا عیسائی ہو گیا اور اب تک زندہ ہے اور ریاست میسور میں کاروبار کرتا ہے۔[۵۵]"

مکفر علماء کے جاہ و جلال اور شان و شوکت کا فتویٰ کفر دینے کے بعد سے لیکر ان کے فوت ہونے تک جو حشر ہوا وہ دنیا دیکھ چکی ہے اور احمدیت کے خلاف ان کی ساری کوششوں کے رائیگان جانے کا تو احمدیت کے اشد ترین دشمنوں کو بھی علی الاعلان اقرار کرنا پڑا ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تمام دُنیا میں عزت کے ساتھ شہرت دی اور آپ کی جماعت کو فوق العادت ترقی عطا فرمائی۔ وہ

[۵۵] تفسیر کبیر جلد ششم جزو سوم صفحہ ۲۵۰۔



آج اکنافِ عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔ واشنگٹن۔ شکاگو اور دیگر امریکن ریاستوں اور شہروں میں، لنڈن اور دیگر یوروپین ممالک میں، افریقہ اور ایشیا کے مختلف بلاد میں پائی جاتی ہے اور بفضلہ تعالیٰ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔

۶۶۔ لِلّٰهِ دَرُّكَ يَا إِمَامَ الْعَالَمِ
أَنْتَ السَّبُوْقُ وَسَيِّدُ الشُّجْعَانِ

ترجمہ۔ آفرین اے پیشوائے عالم! تو سب سے آگے بڑھا ہوا اور بہادروں کا سردار ہے۔ (تشریح کیلئے دیکھو شعر ۹)

۶۷۔ أُنْظُرْ إِلَيَّ بِرَحْمَةٍ وَّتَحَنُّنٍ
يَا سَيِّدِيْ أَنَا أَحْقَرُ الْغِلْمَانِ

معانی الالفاظ۔ تحنّن۔ ترحم۔ شفقت۔

ترجمہ۔ مجھ پر رحم اور محبت و شفقت کی نظر کیجیئے۔ اے میرے آقا! مَیں ایک ناچیز غلام ہوں۔

۶۸۔ يَا حِبِّ إِنَّكَ قَدْ دَخَلْتَ مَحَبَّةً
فِيْ مُهْجَتِيْ وَمَدَارِكِيْ وَجَنَانِيْ

معانی الالفاظ۔ المھجة۔ خون۔ خونِ دل۔ مھجة کل شیء۔ ہر چیز کا

خالص اور بہترین حصّہ - اسکی جمع مُہَج اور مُہُجَاتٌ ہے ۔ مدارک - حواس اور وہ پانچ ہیں - جنان - دل -

**ترجمہ** - اے پیارے! تیری محبت میرے خون میں، میری جان میں میرے حواس اور میرے دل میں رچ گئی ہے -

**شرح** - اس شعر میں کمال محبت کا اظہار کیا گیا ہے اور اس سے پتہ لگتا ہے کہ آپ کی محبت تصنع اور تکلّف سے نہیں بلکہ طبعی اور اتم اور اکمل درجہ کو پہنچی ہوئی ہے - گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شدت جذب محبت سے آپ کے دل اور آپ کی جان اور آپ کے رگ و ریشہ میں داخل ہو چکے ہیں - حقیقت یہی ہے کہ سچی محبت کرنیوالا اپنے محبوب میں فنا ہو جاتا ہے اور ایسی تصویر اس کی اپنے اندر کھینچتا ہے کہ گویا اُسے پی جاتا ہے یا کھا جاتا ہے - یا اُسے اپنے وجود میں داخل کر لیتا ہے - یہی حال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت کا ہے اور آپ کی یہی محبت خدا تعالیٰ کو پسند آئی کہ آپ کو اس زمانہ میں احیائے دین کی خدمت پر مامور کیا گیا - آپ فرماتے ہیں کہ :-

"مجھے ایک مرتبہ الہام ہوا جس کے معنے یہ تھے کہ ملاء اعلیٰ کے لوگ خصومت میں ہیں - یعنی ارادۂ الٰہی احیائے دین کیلئے جوش میں ہے لیکن ہنوز ملاء اعلیٰ پر شخص محیی کی تعیین ظاہر نہیں ہوئی - اس لئے وہ اختلاف میں ہیں - اس اثناء میں خواب میں دیکھا کہ لوگ ایک محیی کی تلاش کرتے پھرتے ہیں اور ایک شخص



اس عاجز کے سامنے آیا اور اشارہ سے اس نے کہا "هٰذَا رَجُلٌ يُحِبُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ" یعنی یہ وہ آدمی ہے جو رسول اللہؐ سے محبت رکھتا ہے - اور اس قول سے مطلب یہ تھا کہ شرطِ اعظم اس عہدے کی محبتِ رسولؐ ہے - سو وہ اس شخص میں متحقق ہے - " (براہین احمدیہ حصّہ چہارم ص۵۰۲)

ایک اور عربی قصیدہ میں آپ فرماتے ہیں ؎

انت الذی شغف الجنان بحبه ۔۔ انت الذی کالروح فی حوبائی

انت الذی بوداده و بحبه ۔۔ ایدت بالالهام والالقاء

تو وہ ہے جس کی محبت سے میرا دل معمور ہے - تو میری جان میں بمنزلہ روح کے ہے - تو وہ ہے جس کی محبت والفت کے باعث میں الہام اور القاء الٰہی سے تائید کیا گیا ہوں -

۶۹- مِنْ ذِكْرِ وَجْهِكَ يَا حَدِيقَةَ بَهْجَتِي
لَمْ أَخْلُ فِي لَحْظٍ وَلَا فِي آنٍ

**معانی الالفاظ** - البهجة - حسن - تروتازگی - خوشی یا ظہور خوشی -

**ترجمہ** - تیرے مُنہ کی یاد سے اے میرے مسرت کے باغ! میں ایک آن اور ایک لحظہ بھی فارغ نہیں ہوتا -

**شرح** - اس شعر میں مطابق مشہور مثل "من احبّ شیئًا اکثر ذکرہ" کہ انسان کو جس چیز سے محبت ہو اسکا بکثرت ذکر کرتا ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے اپنی شدّتِ محبت کا اظہار کیا ہے۔

۷۰ - جِسْمِيْ يَطِيْرُ اِلَيْكَ مِنْ شَوْقٍ عَلَا
يَا لَيْتَ كَانَتْ قُوَّةُ الطَّيَرَانِ

**ترجمہ** - میرا جسم شوقِ غالب کے سبب تیری طرف اُڑنا چاہتا ہے
کاش مجھ میں قوتِ پرواز ہوتی!

**شرح** - اس شعر میں مصنفِ قصیدہ نے اپنی وفورِ محبت اور کمالِ عشق کا نہایت خوش اسلوبی سے اظہار فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں اگرچہ رُوح کو رُوح سے مناسبت ہے اور میری اور میرے محبوب کی مثال یک جان دو قالب کی ہے لیکن یہ مادی قالب بھی غلبۂ محبت و جوشِ عشق سے اُڑنا چاہتا ہے تا وہ اپنے محبوب کے قالب سے متحد ہو جائے۔ کاش اُسے قوتِ پرواز حاصل ہوتی! اسی مضمون کو آپ نے ایک فارسی قصیدہ میں یوں ادا کیا ہے ؎

مے پریدم سُوئے کوئے او مدام
من اگر مے داشتم بال و پرے

اگر میرے پَر ہوتے تو مَیں اُس کے کوچہ کی طرف ہمیشہ اُڑتا۔

---



## حسن الختام

اِس قصیدہ کے آخری اشعار حسن خاتمہ کا بہترین نمونہ ہیں۔ آپ نے ابتدائے قصیدہ میں بجائے اظہارِ محبت اپنے محبوب کے اوصافِ عالیہ و کارہائے جلیلہ اور کمالات کا ذکر کرکے یعنی بواعثِ محبت بیان کرکے آخر میں اپنی محبت غیر فانی کا ذکر فرمایا ہے اور ایسے رنگ میں قصیدہ کو ختم کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ محبتِ رسولؐ میں گذر رہا ہے۔ اور آپ عالَمِ محبت کی ناپیدا کنار فضاؤں اور حدود فراموش وسعتوں میں محوِ پرواز ہیں۔

## اعتذار

اِس قصیدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جن کمالات اور اوصافِ عالیہ کا ذکر پایا جاتا ہے اس کی تفصیل اس مختصر شرح میں بیان کرنا ممکن نہ تھا اس لئے مَیں یہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جو شرح کا حق تھا، وہ نہ مجھ سے ادا ہُوا ہے اور نہ ادا ہو سکتا ہے۔ مگر جسقدر لکھا بھی گیا ہے وہ بھی محض خدا تعالیٰ کے فضل سے ہے جس نے مجھے بیماری کی حالت میں اس کی توفیق بخشی۔ فالحمد للہ الذی وفقنی لھذا۔

## آخری بات

جو مَیں لکھنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم کا خلاصہ اور لب لباب

کلمہ طیبہ لا الٰہ الّا اللہ محمّد رسول اللہ یعنی توحیدِ الٰہی اور رسالتِ محمّدیہ ہے۔ کلمہ طیبہ کی پہلی جز جو توحیدِ الٰہی پر مشتمل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جس رنگ میں اس کا ظہور ہوا اور جس طرح توحیدِ الٰہی کی تعلیم پر آپ نے زور دیا اور اپنے قول و فعل سے خدا تعالیٰ کی عظمت و جبروت کا اظہار کیا اس کی نظیر پہلے کسی نبی میں نہیں ملتی۔ آپ نے کھاتے پیتے، آتے جاتے، سوتے جاگتے، لباس پہنتے، ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا۔ آپ کو آبشاروں کے گرنے، بجلیوں کے چمکنے، بادلوں کے گرجنے، آندھیوں کے طوفانوں اور بارشوں کے سیلابوں، دریاؤں اور سمندروں کے اُتار چڑھاؤ زمین کے جھٹکوں اور زلزلوں سے پہاڑوں کے لرزنے میں خدائے واحد کا جلال نظر آتا تھا۔ توحیدِ الٰہی کی خاطر آپ نے سارے عرب کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ آپ نے اس رنگ میں توحیدِ الٰہی کی اشاعت کے لئے قربانیاں کیں کہ ایک طرف اللہ تعالےٰ نے شہادت دی کہ آپ کی نماز اور آپ کی ہر قسم کی قربانیاں اور آپ کی زندگی اور آپ کی موت سب خدائے رب العٰلمین کے لئے تھیں۔ اور دوسری طرف آپ کے مخالفوں نے بھی اعتراف کیا۔ "قد عشق محمّد ربّہ" کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اپنے ربّ کے عاشقِ زار ہیں۔ لیکن کلمہ کی دوسری جز جو رسالتِ محمّدیہ پر مشتمل ہے جس میں "محمّد" نام کا ذکر ہے جس کے معنے ہیں کثرت سے تعریف کیا گیا اس میں جو حقیقت پائی جاتی ہے اس کا کامل ظہور اس زمانہ میں مقدر تھا۔ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پادریوں اور مغربی فلاسفروں کی طرف سے



اور آریوں کی طرف سے ہر قسم کے ناپاک حملے اور گندے اعتراضات کئے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں "محمّد" کی تعریف اور آپ پر حملہ کرنیوالوں کے مقابلہ کے لئے آپ کے روحانی فرزند حضرت میرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام مصنفِ قصیدۂ ہذا کو مبعوث فرمایا تا دُنیا سمجھ لے کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو کیسی عظمت و شان عطا فرمائی ہے اور کیسا عالی مرتبہ نبی بنایا ہے۔ تا دُنیا کو معلوم ہو جائے کہ آپ اس کے کتنے بڑے محسن ہیں اور آپ کو قبول کرنے اور آپ کی تعلیم پر عمل پیرا ہونے میں کیا کیا فوائد ہیں۔ تا دُنیا پر کُھل جائے کہ قربِ الٰہی جس پر فلاحِ اُخروی موقوف ہے صرف آپ کی پیروی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور تا یہ امر دُنیا کے ذہن نشین ہو جائے کہ آپ دنیا کے لئے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت ہیں اور پھر دنیا آپ کی تعریفوں سے ایسی بھر جائے جیسا کہ پانی سے سمندر۔

چنانچہ بانئے سلسلۂ احمدیہ اپنی بعثت کی غرض بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب "تریاق القلوب" میں رقمطراز ہیں:—

"اے تمام وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو! اور اے تمام وہ انسانی روحو جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو! مَیں پُورے زور کے ساتھ آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ اَب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا خدا وہی خدا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال

اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جس کی روحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت ملا ہے کہ اُس کی پیروی اور محبت سے ہم رُوح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں کے انعام پاتے ہیں۔"

اللّٰھم صلّ علی محمد و علی اٰل محمد کما صلّیت علی ابراھیم و علی اٰل ابراھیم انّک حمید مجید۔

اللّٰھم بارک علی محمد و علی اٰل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی اٰل ابراھیم انک حمید مجید۔

جلال الدین شمس

بمقام کوئٹہ

۸ ستمبر ۱۹۵۶ء

نوٹ:۔ راقم شرح ممنون ہوگا اگر قارئین کرام شرح ہذا کے متعلق اپنی رائے کا اظہار فرماویں۔ شمس



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# قصیدہ[1]

## القراٰن العظیم و اصحاب النبی الکریم

قصیدہ جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس قصیدہ کے جس کی میں نے شرح لکھی ہے برکات کا ثمرہ ہے۔

(خاکسار جلال الدین شمس)

اِنْ شِئْتَ بَحْرَ الْعِلْمِ وَالْعِرْفَانِ ۔۔۔ فَاقْرَأْ کِتَابَ اللّٰہِ بِالْاِمْعَانِ

اگر تو علم و عرفان کے سمندر کا خواہاں ہے ۔۔۔ تو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو غور سے پڑھ۔

سِفْرٌ کَرِیْمٌ کَامِلٌ وَّمُکَمِّلٌ ۔۔۔ فَرْدٌ وَّلَمْ یُوْجَدْ لَہٗ مِنْ ثَانٍ

وہ ایک قابل قدر صحیفہ اور کامل و مکمل کتاب ہے ۔۔۔ یگانہ ہے جس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

نُوْرٌ مُّبِیْنٌ سَاطِعٌ مِّنْ رَّبِّنَا ۔۔۔ ضَوْءٌ مُّضِیْءٌ سَائِرَ الْبُلْدَانِ

وہ ہمارے رب کی طرف سے ایک روشن بلند نور مبین ہے، ۔۔۔ اور ایک ایسی عظیم الشان روشنی ہے جو تمام شہروں کو روشن کر رہی ہے

تَاجُ الْھُدٰی فَخْرُ الشَّرَائِعِ کُلِّھَا ۔۔۔ وَالْحَقُّ کُلُّ الْخَیْرِ فِی الْقُرْاٰنِ

وہ ہدایت کا تاج اور تمام شریعتوں کا فخر ہے ۔۔۔ اور حق بات یہ ہے کہ سب خیر قرآن میں ہے

[1] یہ قصیدہ میں نے نومبر ۱۹۵۱ء میں لکھا تھا اور الفضل جلسہ سالانہ نمبر اور رسالہ الفرقان ماہ دسمبر ۵۱ء

كَالسِّمْطِ تَبْدُوْا آيُهُ مَنْظُوْمَةً
اس کی آیتیں سلک مروارید کی طرح پروئی ہوئی ہیں

أَلْفَاظُهُ كَالدُّرِّ فِي اللَّمَعَانِ
اس کے الفاظ چمک و دمک میں موتیوں کی مانند ہیں

آيَاتُهُ تُلْفِي إِذَا دَبَّرْتَهَا
اس کی آیات میں اگر تو غور کرے گا

بَحْرَ الْحَقَائِقِ مَنْبَعَ الْعِرْفَانِ
تو انہیں حقائق کا سمندر اور عرفان کا سرچشمہ پائیگا

فِي لَيْلَةٍ ظَلْمَاءَ كَانَ نُزُوْلُهُ
اس کا نزول ایک شب تاریک و تار میں ہوا

أَرْخَتْ سُدُوْلَ الْغَيِّ وَالطُّغْيَانِ
جس نے گمراہی اور طغیان کے پردے ڈالے ہوئے تھے

اَلْعُرْبُ مِنْ ظُلْمٍ وَمِنْ جَهْلٍ غَدَتْ
عرب لوگ ظلم و جہالت کی وجہ سے

مِثْلَ السِّبَاعِ بِهَيْكَلِ الْإِنْسَانِ
انسان کی شکل میں درندے بنے ہوئے تھے

كَانَتْ كَخَافِيَةِ الْغُدَافِ قُلُوْبُهُمْ
ان کے دل کالے کوّے کے پروں کی طرح

مِنْ كَثْرَةِ الْآثَامِ وَالْعِصْيَانِ
گناہوں اور نافرمانی کی کثرت سے سیاہ ہو رہے تھے

كَانُوْا كَغَرْقَى فِي هَوَاءِ نُفُوْسِهِمْ
وہ خواہشات نفسانی اور عورتوں اور

وَاللَّهْوِ بِالنُّدَمَاءِ وَالنِّسْوَانِ
رندان بادہ خوار کے ساتھ لہو و لعب میں غرق تھے

صَارُوْا كَأَنْعَامٍ كَثِيْرٌ مِنْهُمْ
ان میں سے اکثر مویشی کی مانند ہو چکے تھے

مَذْكُوْرَةً فِي سُوْرَةِ الْفُرْقَانِ
جیسا کہ سورۃ فرقان میں مذکور ہے۔

زَالَ الْعَمَى بَعْدَ الْهُدَى مِنْ قَلْبِهِمْ
ان کے دلوں سے ہدایت پانے کے بعد اندھا پن جاتا رہا

وَتَشَبَّثُوْا بِالْقِسْطِ وَالْمِيْزَانِ
اور انہوں نے انصاف اور میزان پر مضبوطی سے پنجہ مارا

نَقَّوْا بِمَاءِ الْوَحْيِ جَذْرَ جَنَانِهِمْ
انہوں نے وحی کے پانی سے اپنے دلوں کو

مِنْ رِجْسِ أَوْثَانٍ وَمِنْ أَضْغَانِ
بتوں کی ناپاکی اور کینوں سے صاف کیا

فَاقُوا الْوَرَى دُنْيَا وَدِيْنًا كُلُّهُمْ
وہ سارے دنیا و دین میں باقی مخلوق پر فوقیت لے گئے

لَمَّا أَتَوْا بِأَوَامِرِ الْقُرْآنِ
جب وہ قرآن کے احکام کو بجا لائے

وَتَطَهَّرُوْا حَتَّى تَبَرَّأَ كُلُّهُمْ
وہ گناہوں سے ایسے پاک ہوئے کہ ان میں سے

مِنْ كُلِّ نَوْعِ الذَّنْبِ وَالْعِصْيَانِ
ہر ایک ہر قسم کے گناہ و معصیت سے بیزار ہو گیا



هُمْ جَاهَدُوا الْكُفَّارَ طُوْلَ نَهَارِهِمْ
وہ دن کو کفار سے جہاد کرتے

وَاللَّيْلَ بَاتُوْا طَالِبِي الْغُفْرَانِ
اور رات خدا تعالیٰ سے استغفار کرتے گذارتے

زَكَّوْا نُفُوْسَهُمْ فَكَانَ فُؤَادُهُمْ
انہوں نے اپنی جانوں کو ایسا پاکیزہ بنایا کہ انکے دل

كَالْكَوْكَبِ الدُّرِّيِّ فِي اللَّمَعَانِ
چمک دمک میں روشن ستاروں کی مانند ہو گئے

حَازُوا الْمَكَارِمَ وَالْفَضَائِلَ جَمَّةً
انہوں نے کثرت سے فضیلتوں اور مکارم کو حاصل کیا

مَا حَازَهَا جِيْلٌ مِنَ الْإِنْسَانِ
جنکو انسانوں کی کوئی جماعت نہ حاصل کر سکی تھی

وَاسْتَمْسَكُوْا بِالذِّكْرِ حَتَّى جَاءَهُمْ
انہوں نے قرآن مجید کو اس مضبوطی سے پکڑا کہ

وَحْيٌ يُبَشِّرُهُمْ مِنَ الرَّحْمٰنِ
انکے پاس خدائے رحمن سے بشارت دینے والی وحی آئی

أَجْرٌ وَمَغْفِرَةٌ لَهُمْ مِنْ رَبِّهِمْ
کہ ان کیلئے انکے رب کی طرف سے اجر اور مغفرت ہے

طُوْبَى لَهُمْ فَضْلٌ مِنَ الْمَنَّانِ
اور ان کیلئے خدائے منان سے طوبیٰ یعنی ہر قسم کی خیر ہے

نَالُوْا مِنَ الرَّحْمٰنِ كُلَّ كَرَامَةٍ
انہوں نے خدائے رحمن سے ہر قسم کی عزت پائی

فَازُوْا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَالرِّضْوَانِ
اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا کو حاصل کیا

طَارُوْا بِأَمْرِ نَبِيِّهِمْ فِي الْعَالَمِ
مِثْلَ الْحَمَائِمِ حَامِلِي الْقُرْآنِ
وہ اپنے نبی کے حکم سے قرآن مجید اٹھائے کبوتروں کی مانند اڑے اور ساری دنیا میں پھیل گئے

رَبَّى النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ أَصْحَابَهُ
بِتَحَنُّنٍ كَالْأُمِّ لِلْوِلْدَانِ
محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کی ماں کی مانند نہایت شفقت اور محبت کیساتھ اپنے صحابہ کی پرورش کی

هُمُ اقْتَدَوْا بِمُحَمَّدٍ خَيْرِ الْوَرَى
عَيْنِ الْهُدَى ذِي الْحُسْنِ وَالْإِحْسَانِ
انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی جو بہترین خلائق چشمۂ ہدایت اور صاحب حسن و احسان ہیں

يَا رَبِّ صَلِّ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ
اے میرے رب! تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیج

خَيْرِ الْخَلَائِقِ مَهْبِطِ الْقُرْآنِ
جو سب مخلوقات سے افضل اور بہتر ہیں جن پر قرآن اترا تھا